مسئلہ توحید و شرک
ایک تحقیقی مطالعہ

توحید کی تعریف، تعارف، دلائل توحید، مفید ہونے کی شرائط وارکان، مختلف اعتبارات سے تقسیمات واقسام، اس بارے میں جنم لینے والی غلط فہمیوں کا اصولی جائزہ، شرک کا تعارف، اقسام، تاریخ وپس منظر، اسباب وعناصر، مختلف متنازع فیہ مسائل کا تطبیقی جائزہ، موضوع سے متعلق اشکالات وخدشات

تالیف:

مفتی عبید الرحمان صاحب

(دار الافتاء جامعہ محمدیہ، مایار مردان)

تصحیح و نظر ثانی:

حضرت مولانا مجیب الرحمن صاحب

(استاذ سعادت دار العلوم طورو، مردان)

حضرت مولانا نار سال محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(صدر مدرس جامعہ حدیقۃ العلوم، باجا صوابی)

مکتبۃ المثنی مردان

فہرستِ مضامین

پیشِ گفتار..10

موضوع کی اہمیت...10

موضوع سے متعلق لوگوں کی آراء..11

گزشتہ کام کاجائزہ...12

کام کرنے میں ایک مشکل...15

اظہارِ تشکر...17

باب اول :توحید کی تعریف اور متعلقات 19

فصل اول: توحید کا مفہوم ،رکن اور شرائط: 19

توحید کی لغوی تحقیق:...19

اشاعرۃ کی تعریف پر اشکال وجواب..23

توحید وشرک کےدرمیان نسبت..25

توحید کا رکن..25

توحید کی شرائط..25

پہلی شرط : وجود باری تعالیٰ..27

قدیم فلاسفہ اور وجود خدا..34

دوسری شرط : اللہ تعالیٰ کے صفات وافعال کا اعتقاد رکھنا 40

تیسری شرط:اقرار باللسان 41

چوتھی شرط: شرک کا ارتکاب نہ کرنا.. 42

پانچویں شرط: تقاضائے توحید پر عمل کرنا.................................. 42

توحید کا حکم.. 43

فصل دوم: دلائل توحید: 44

دلائل نقلیہ 44

قرآن کریم کا اسلوبِ بیان 45

دلیلِ نقلی سے استدلال پر اشکال وجواب.................................... 47

عقلی دلائل: 48

برہانِ تمانع.. 49

علامہ ابی المظفر اسفرائینی کی تعبیر.. 52

دوسرے الہ کے وجود پر کوئی دلیل نہیں 54

فصل سوم:توحید کی تقسیم 57

توحید فی الذات... 57

توحید فی الصفات... 57

صفات مخصوصہ کونسی 58

توحید فی الافعال.. 59

تقسیم کی نوعیت 60

توحید کی ایک اور تقسیم... 61

دوسری تقسیم کاجائزہ.. 63

ایک اشکال اورا س کاجواب 67

باب دوم: شرک ، مفہوم،اقسام 71

فصل اول:شرک کامفہوم،رکن،شرائط، تاریخ 71

شرک کی لغوی تحقیق 71

اصطلاحی تحقیق.. 71

شرک کارکن و محل 73

شرائط شرک.. 74

پہلی شرط: محل شرک کااعتقاد 74

دوسری شرط:.. 74

تیسری شرط: اظہار.. 75

شرک کی تاریخ.. 75

سرزمین عرب میں بت پرستی کی تاریخ.................................... 77

شرک کاحکم.. 79

فصل دوم:شرک کی تقسیم 80

محل کےاعتبار سے تقسیم اوراقسام 80

شرک اکبر واصغر 81
علامہ کفوی کی تقسیم 82
قاضی تھانوی صاحب کی تقسیم 83
حضرت شاہ اسماعیل شہید صاحب کی تقسیم 84
مولانا احمد بگوی کی تقسیم 84
فصل سوم: 86
اسباب اور ذرائع شرک........................... 86
اللہ تعالیٰ کی صفات سے جہالت ونا واقفیت 86
بزرگوں کی تعظیم میں غلو 88
تاریخ کی گواہی 88
زیارتِ قبور میں حد سے تجاوز 92
تعصب وعصبیت 97
صفات الہیہ میں تجسیم وتشبیہ کا اعتقاد 100
قرآن وحدیث میں جس کو شرک کہا گیا 101
نصوص کے متعلق ضابطہ 103
غیر اللہ کی قسم کھانا 104
کونسی تعظیم شرک ہے 106
غیر اللہ کے نام نذر ماننا 107

غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا.. 108

تمیمہ لٹکانا.. 110

سحر شرک ہے 113

بد فالی پر عمل کرنا 115

ریاء شرک ہے 117

غیر اللہ سے استمداد واستعانت.. 119

استقلال کا معنٰی 120

کیا تقلید شرک ہے.. 125

تقلید میں مناط شرک.. 126

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں شرک نہیں 130

مسئلہ توسل میں مناط شرک.. 135

وضعی قوانین بنانا.. 136

فصل چہارم:.. 137

شرک فی العبادۃ اور بعض دیگر متعلقہ مسائل 137

شرک فی العبادۃ کی تفصیل وتطبیق 137

شرک فی العبادۃ: 137

شرک ہونے کی وجہ.. 138

اشاعرہ کا موقف.. 139

عبادت کیا ہے؟ 142

عبادت کے دو جزء 143

حافظ ابن القیم کی تحقیق.. 144

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تحقیق.. 146

فقہاء کرام کی تصریحات 148

ایک غلط فہمی کاازالہ 152

شرک اعتقادی مسئلہ ہے.. 154

قرائن کی وجہ سے شرک کافیصلہ.. 155

فصل پنجم: موضوع سے متعلق غلط استدلالات اور غلط فہمیوں کا تحقیقی تجزیہ 159

شرک سے متعلق چند غلط فہمیاں 159

شرک کاڈر.. 160

پہلی روایت سےاستدلال کاجواب.. 162

دوسری روایت سےاستدلال کاجواب.. 163

امت کے متعلق شرک کااندیشہ 168

کیا شرک بت کےساتھ مخصوص ہے.. 169

شرک اورمساوات کااعتقاد.. 170

ذاتی وعطائی صفات کی تقسیم 175

ذاتی اور عطائی صفات کے متعلق چند عبارات.............................176
اس تقسیم کے درست نہ ہونے کی وجوہات 178
ایک اشکال اور اس کا جواب 182
مفسرین کی تصریحات..187
امام ابو منصور ماتریدی کی تفسیر 188
امام رازی کی تفسیر..191
شرح مواقف 192
مشرکین کے شرک کی نوعیت سے متعلق ایک صحیح روایت................193
کیا محض عملی عبادت کی وجہ سے مشرکین قرار دیا گیا.......................194
اس تاویل کے درست نہ ہونے کی تیسری وجہ..............................195
چوتھی وجہ..198
امام ابو حنیفہ رح کی تصریح 198
شیعوں کا عقیدہ تفویض 199
غیر اللہ اور صفات الہیہ...203
اسباب میں تاثیر کا عقیدہ 208
اسباب کی تاثیر کے متعلق مختلف اقوال......................................210
علامہ بیجوری کی تحقیق 210
علامہ قرافی رحمہ اللہ کی تصریح..214
علامہ آلوسی رحمہ اللہ وغیرہ کی رائے 216

استدلال کاجائزہ.. 220
شرحِ عقائد کی عبارت کا تجزیہ.. 222
استدلال کاجائزہ.. 225
مولانا کاظمی صاحب کےاستدلال کاجائزہ.............................. 229
ما فوق الاسباب اور ماتحت الاسباب 232
اس قید کی ضررت 233
مشرکین سے متعلق نصوص مسلمانوں پر منطبق کرنا...................... 235
اصولی بات.. 236
کفار سے متعلقہ نصوص کی اقسام 236
خوارج کی غلطی.. 237

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

موضوع کی اہمیت

مسئلہ توحید وشرک ان بنیادی اور اہم مسائل میں سے ہے جن پر دین اسلام بلکہ کسی بھی دن ومذہب کی پوری عمارت استوار ہوتی ہے، دینی مسائل واحکام کی چکی اسی کے ارد گرد گھومتی ہے۔ توحید تمام نیکیوں سے بڑھ کر نیکی اور ہر نیکی کے لئے اصل واساس ہے جبکہ شرک تمام برائیوں سے بڑھ کر برائی اور اسی پر اگر خاتمہ ہو جائے تو ناقابل معافی جرم وگناہ ہے۔ قرآن وسنت کے سینکڑوں نصوص اسی کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ جب کسی چیز کی اہمیت وافادیت بڑھتی ہے تو اس کا تذکرہ بھی زیادہ ہوتا رہتا ہے، مختلف انداز اور متنوع اسالیب سے اس کو یاد کیا جاتا ہے، یہی حال توحید وشرک کا بھی ہے کہ شریعت کی نظر میں عقیدہ توحید اپنانے اور شرک سے دور اور بے زار رہنے کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لئے طرح طرح سے اس کو سمجھانے کی تبلیغ وتلقین کی گئی ہے۔

لیکن امت میں اس حوالے سے بہت کچھ غفلت وکوتاہی کی روش دیکھنے میں آتی ہے، وہ شرک جس کے مختلف اسباب وذرائع کو شریعت مطہرہ نے چن چن کر بند کیا اور اس طرح کر کرکے دین حق اور شرک کے درمیان ایک مضبوط آہنی فصیل قائم کردی، اسی شرک کا آج رواجِ عام ہے، امت مرحومہ کے مختلف طبقات میں کثرت وتسلسل کے ساتھ جاری وساری ہے۔ دوسری طرف اس کی اصلاح وتبدیلی کے لئے جن کوششوں کی ضرورت ہے اور امت اسلامیہ کی اجتماعی

خمیر جن مساعی کی متقاضی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بالکل مفقود تو نہیں ہے البتہ مقدار اور نوعیت ہر لحاظ سے کمزور اور نہایت کمزور ہیں۔

میدانِ فکر و دعوت کا یہ عجیب تجربہ ہے کہ اصلاحی کوششیں اگر اپنی نہج پر نہ کی جائیں اور ان کو اپنی حیثیت و مقدار سے بڑھایا جائے تو اس سے امت میں رشد وہدایت اور اصلاح وصلاح کی بجائے ضلال و گمراہی اور فساد و خرابی کی لہریں عام ہوتی ہیں جن کی جڑیں رفتہ رفتہ مضبوط ہوتی چلی جاتی ہیں اور کچھ عرصہ بعد وہ ایسے تنہ دار درخت کی بھیس اختیار کر لیتی ہیں جس کو اپنی جگہ سے ہٹانا یا مٹانا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جہاں کبیرہ گناہ عظیم نیکی، اور ممنوع بدعت مطلوب سنت کی روپ دھار لیتی ہے، جس کی تغییر و تبدیلی عام داعی سے ممکن نہیں ہو پاتی بلکہ اس کے لئے کسی مجدد کی ضرورت پڑتی ہے اور اسی کی آہنی کوششوں سے بڑی مشکل سے کہیں جاکر یہ فتنہ ختم ہو جاتا ہے اور لوگوں کی نظروں سے پردہ اٹھ کر اصل حقیقت واضح دکھائی دینے لگتی ہے۔

موضوع سے متعلق لوگوں کی آراء

جہاں تک اس موضوع پر بحث و تحقیق کا قضیہ ہے تو اس میں بھی لوگوں کی آراء مختلف ہیں۔ بعض لوگ ان مباحث کو بالکل در خور اعتناء نہیں سمجھتے بلکہ بسا اوقات اس کو رجعیت پسندی وغیرہ قابل مذمت عناوین سے یاد فرماتے ہیں۔ اس خیال کے حامل لوگ عموماً نظری واعتقادی نوعیت کے مسائل کی بجائے عملی مسائل ہی کو اہمیت دیتے ہیں اور ان میں سے بھی بیشتر لوگ عملی مسائل میں بھی ایک خاص رنگ وڈھنگ کے مسائل کو مشغلہ بحث بنانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسری قسم ان

دوستوں کی ہے جو پہلے لوگوں کے بالمقابل انہی مسائل کو سبھی کچھ سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں عملی مسائل کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں رویّے لائق اصلاح اور محتاج تبدیلی ہیں۔ کوئی شخص اپنے ذہنی رجحان اور قابلیت استعداد کے لحاظ سے دین حق کے جس شعبے کو چاہے، اپنی خدمت کے لئے منتخب کر سکتا ہے لیکن اعتقادی و نظریاتی لحاظ سے دین کی جامعیت اور پورے ہی دین کی اہمیت وافادیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔اسی طرح اعمال واخلاق کی اصلاح کی اہمیت اپنی جگہ بالکل مسلم ہے لیکن اعتقاد و نظریہ کی اصلاح بہر حال مقدم اور قابل ترجیح ہے کہ اسی پر اعمال واخلاق کے در و دیوار کی تعمیر ہوتی ہے۔اسی جذبے سے یہ کتابچہ تیار ہوا۔

گزشتہ کام کا جائزہ

قرآن وسنت کا وافر حصہ توحید وشرک کے موضوع سے متعلق ہےاور تفاسیر وشروح حدیث میں اس موضوع کی تمام ضروری تفصیلات مدون وموجود ہیں۔ مستقل موضوعِ بحث وتحقیق کے لحاظ سے بھی یہ بہت مخدوم موضوع ہے جس پر عرب وعجم میں بڑا کام ہوا ہے جس کے نتیجے میں امت کے سامنے ایک بڑا علمی ذخیرہ وجود میں آیا ہے۔یہاں اس وسیع ذخیرے میں سے چند اہم کتب کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

عالمِ عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی "کتاب التوحید" اور اس کی دسیوں شروحات وتلخیصات، شیخ ابو بکر محمد زکریا کا مفصل وطویل مقالہ "الشرک فی القدیم والحدیث"،جناب عبد الرحیم سلمی کی "حقیقة التوحید بین اہل السنة

والمتکلمین"، شیخ صالح فوزان کی "عقیدۃ التوحید"، علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ کی "دلائل التوحید" وغیرہ کتابیں سرِ فہرست ہیں، اسی طرح توحید کی تقسیم سے متعلق متعدد رسائل بھی اس موضوع کی کتابوں میں شامل ہیں۔ ان میں سے اکثر کتابیں سلفی کہلانے والے مکتبِ فکر کے حضرات کی لکھی ہوئی ہیں جو ان جیسے تمام مباحث میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی پیروی کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں برصغیر میں بھی اس پر بہت کچھ کام ہوا، چنانچہ دیوبندی مکتب فکر کے علماء میں سے حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" اور "ردّ الاشراک"، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی "نہایۃ الادراک فی اقسام الاشراک"، حضرت مولانا عبد الغنی جاجروی صاحب کی "کتاب التوحید"، مولانا محمد رمضان نعمانی صاحب کی "مذہب اہل سنت والجماعت"، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کی "گلدستہ توحید"، ملک حسن علی جامعی کی "مشاہد التوحید" اور "تعلیمات مجددیہ"، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری صاحب کی "توحید و شرک کی حقیقت"، مولانا شعیب اللہ خان صاحب کی "التوحید الخالص" مشہور ہیں۔

بریلوی مکتبِ فکر کے علماء میں سے مولوی احمد رضا خان صاحب کے بعض رسائل و فتاویٰ، مولانا نعیم الدین صاحب کی "اطیب البیان"، مولانا احمد یار خان نعیمی صاحب کی "جاء الحق"، مولانا اشرف سیالوی صاحب کی "گلشن توحید ورسالت"، مولانا احمد سعید کاظمی صاحب کے مجموعہ مقالات میں سے بعض مقالے، مولانا عبد الحکیم شرف قادری صاحب کی "من عقائد اہل السنۃ" اور اس کا

اردو ترجمہ "عقائد و نظریات"، مولانا یحیٰ انصاری اشرفی صاحب کی "حقیقت شرک" مولانا صدیق ملتانی صاحب کی "من دون اللہ کون ہے؟" اور مولانا فیض احمد اویسی کے بعض رسائل و مقالات اس موضوع سے متعلق کتابیں ہیں۔

اہل حدیث حضرات میں سے ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحب کی "وجود باری تعالیٰ اور توحید"، جاوید سلفی صاحب کی "آئینہ توحید وسنت"، حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی "توحید اور شرک کی حقیقت" اور جناب شفیق الرحمن دراوی کی "مقالات توحید" کتابیں معروف ہیں۔

اس کے علاوہ علامہ تقی الدین مقریزی صاحب رحمہ اللہ کی "تجرید التوحید المفید"، علامہ جمال الدین قاسمی صاحب رحمہ اللہ کی "دلائل التوحید"، حضرت مولانا احمد الدین بگوی صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ "دلیل المشرکین"، مولانا گوہر رحمن صاحب کی "حقیقت توحید وسنت"، پیر سید نصیر الدین صاحب کی "اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت"، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی "حقیقت شرک وتوحید"، مولانا عطاء اللہ بندیالوی کی "شرک کیا ہے؟"، سید حامد علی صاحب کی "توحید اور شرک"، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی "حقیقت اور اقسام شرک" وغیرہ کتابیں بھی مشہور ہیں۔ یہ سب کتابیں اس کتاب کی تالیف کے وقت راقم الحروف کے مطالعہ میں رہی ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن وحدیث، تفاسیر وشروح حدیث، علم کلام اور فقہ واصول فقہ کے اصل سرچشموں سے بھی جی بھر کر استفادہ کرتا رہا، جس کے جگہ جگہ حوالہ جات بھی دئے گئے ہیں۔

اللہ نہ کرے کہ ان کتابوں کے نام گنوادینے سے علمی رعب جمانا مقصود ہو اور کسی عقل مند کے نزدیک یہ کوئی فخر ومباہات کا ذریعہ بن بھی نہیں سکتا۔ اصل مقصود بس یہ ہے کہ کتاب کی اہمیت دل میں پیدا ہو جائے اور اس کو ایک وقتی وجذباتی تحریر کے طور پر نہ دیکھا جائے بلکہ اہتمام کے ساتھ دیکھا اور پڑھا جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ یہ کتابچہ انہی کتابوں کی تلخیص وخلاصہ ہے جس میں مزید کوئی چیز ہی نہ ہو، بلکہ جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو اور اس سے متعلقہ کتابوں کے پڑھنے کی نوبت نصیب ہوئی ہو، اس کو محض اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اس مختصر کتابچہ میں کچھ ایسی چیزیں بھی ان شاءاللہ مل جائیں گی جو موضوع کی عام کتابوں میں نہیں مل سکیں گی۔

کام کرنے میں ایک مشکل

اس موضوع کے مشکلات میں سے ایک اہم مشکل فرقہ بندی اور شیرازہ امت کا بکھرنا بھی ہے۔ بڑے دکھ ودرد اور حسرت وافسوس کے ساتھ کہنا پڑھ رہا ہے کہ ہمارے ہاں فرقہ بندی اور مختلف نسبتوں نے مذموم عصبیت کی شکل اختیار کرلی ہیں ،جو شخص جس جماعت کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے، اس کے بارے میں تعصب ہی نہیں بلکہ گہرے تعصب کا شکار ہے اور اس کے خلاف افراد وجماعتوں کے متعلق حق تلفی اور ناقدری میں مبتلا ہے۔ کسی دانا نے بالکل ہی درست فرمایا کہ :

"التعصّب إذا تملّك أهلك"

(جب تعصب کسی کے ہاں جڑ پکڑتا ہے تو اس کو ہلاک کرکے رکھ دیتا ہے)۔

چنانچہ اس تعصب کے بہت سے نقصانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ رویہ قبول حق واشاعت حق کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، لوگوں کو بدیہی حق سے دور رکھنے اور نظری وغیر معقول باطل کو کسی سے منوانے کا یہ بڑا آسان اور محفوظ راستہ ہے۔اسی تعصب کے برگ وبار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امت کی صلاحیتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور جو کچھ صلاحیت بچی کچھی رہ جاتی ہے وہ بھی اپنوں ہی کے خلاف صرف ہوتی ہے، اسی کا نتیجہ ہوتاہے کہ دینِ حق قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے والوں کا دائرہ بڑھتا نہیں ہے بلکہ یا تو اپنی جگہ محدود رہتا ہے اور یا مزید سکڑتا وسمٹتا چلا جاتا ہے۔ کوئی چاہے تو اپنے ماحول میں کسی بھی وقت ان تمام مذموم نتائج وثمرات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ بہر حال اس موضوع پر کئے ہوئے کام میں یہ عنصر خاص طور پر محسوس ہوتا ہے اور بد قسمتی سے جو کام ہمارے ہاں برصغیر میں ہوا ہے، اس میں نمایاں طور پر یہ چیز دکھائی دیتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے ،اس میں خصوصی طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہر بات کو اصولی اور منطقی رنگ وڈھنگ میں ڈھالا جائے جس کے لئے بہت کچھ محنت کرنی پڑی۔اور ہمارے خیال کے مطابق علمی سطح پر اس جماعتی و گروہی تعصب کی خلیج پاٹنے کی یہی شکل زیادہ مناسب ہے کہ موافق ومخالف کا ہر دعویٰ مدلل ہو اور دلیل میں بھی استنباط واستدلال کے اصول وضوابط کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے، اور تحریر وتقریر اور کردار وگفتار میں اعتدال وتوازن سے کام لیا جائے۔

اظہارِ تشکر

مسودہ تیار ہوجانے کے بعد مختلف اہلِ علم کی خدمت میں اس جذبے کے ساتھ پیش کیا گیا کہ اس کی اصلاح و تصحیح کی جائے اور اس میں کوئی علمی سقم ہو تو بر وقت متنبہ ہو کر اس کو درست کر دیا جائے، ان حضرات میں سے حضرت مولانا مفتی فداء محمد صاحب دامت برکاتہم [1]، حضرت مولانا مجیب الرحمن صاحب [2] اور حضرت مولانا رسال محمد صاحب [3] دامت برکاتہم سرِ فہرست ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بہت ہی جزائے خیر نصیب فرمائیں کہ اس مصروف زندگی میں وقت نکال کر اس حقیر کی درخواست کو قبول فرمایا اور مسودہ کو اچھی طرح دیکھ کر کئی مفید علمی باتوں کی طرف رہنمائی فرما کر شفقت اور نیک تعاون کا ثبوت دیا۔ عزیزم حضرت مولانا عادل رضا صاحب نے بھی مسودہ اہتمام سے دیکھا اور عزیزم مولوی محمد طاہر صاحب نے عربی عبارات کا ترجمہ کیا۔ یہاں ان حضرات کا اور ان کے ساتھ ہی ان تمام حضرات کا دل و جان سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مختلف مواقع پر اس کتاب کی تیاری میں مدد دی، اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق ان کو بہترین بدلے عطاء فرمائیں۔

کسی بھی انسانی کاوش کے بارے میں یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مکمل طور پر غلطیوں اور لغزشوں سے پاک و صاف ہو گا خاص کر ہم جیسے طالب علموں کے کئے

---

[1] مدرس و شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم رحمانیہ، مینی صوابی

[2] صدر مدرس جامعہ دار العلوم سعادت، طورو مردان

[3] صدر مدرس جامعہ حدیقۃ العلوم، باجا صوابی

ہوئے کام کے متعلق ایسا یقین رکھنا بالکل بے جا اور نِری خوش فہمی ہی ہے، اس لئے قارئین کی خدمت میں عاجزانہ التماس ہے کہ اگر کوئی لغزش سامنے آئے یا اس کے علاوہ کوئی قابلِ اصلاح پہلو معلوم ہو جائے تو ضرور اس حقیر کو اطلاع دیکر ممنوع فرمائیں، اس کو شکر و امتنان کے جذبے کے ساتھ قبول کیا جائے گا، اور غور و فکر کرنے کے بعد آئندہ اشاعت میں اس کی مناسب اصلاح و ترمیم ہو گی ان شاءاللہ۔

میں خلوص وللہیت کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا، البتہ اپنے کریم رب سے دست بدعاء ہوں کہ وہ اپنے اس حقیر بندے کے اس کام کو خاص اپنی رضاء کے لئے کر دیں اور اس سمیت تمام کاموں میں اخلاص، للہیت اور قبولیت کی دولت وسعادت سے اپنے اس ناکارہ بندے کو سرفراز فرمائیں۔ اخیر میں اپنے کریم ومہربان رب سے دعاء ہے کہ امتِ مرحومہ کو اتحاد واتفاق کی دولت سے مالامال فرمائیں کہ اس کے تمام افراد آپس میں رحم وکرم کی تصویر اور الفت ومحبت، باہمی نصرت وتعاون کا استعارہ ہوں اور اس کو ہر طرح شرور وفتن، نااتفاقیوں اور ناہمواریوں سے محفوظ ومامون فرمائیں اور اس رسالے کو اپنی بارگاہِ محبت میں قبولیت سے نوازیں، بے شک وہ بہت ہی مہربان اور نہایت ہی رحم وکرم کرنے والا ہے۔

بندہ عبیدالرحمن

دارالافتاء جامعہ محمدیہ، مایار مردان

۳صفر ۴۳ھ

باب اول: توحید کی تعریف اور متعلقات

فصل اول: توحید کا مفہوم، رکن اور شرائط:

توحید کی لغوی تحقیق:

"توحید" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا مادہ "وحد" ہے یہ مادہ کلام عرب میں جہاں بھی استعمال ہوتا ہے عموماً اس سے انفرادیت، اکیلے پن کے معنٰی مراد ہوتے ہیں، امام خلیل بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وحد: الوَحَدُ المُنْفَرِدُ. رجلٌ وَحَدٌ، وثورٌ وَحَدٌ. وتفسير الرّجلِ الوَحِد: الذي لا يُعْرَفُ له أَصْلٌ. [1]

ترجمہ: وحد اور الوحد کا معنی ہے منفرد، (عرب کہتے ہیں) ایک آدمی، ایک بیل۔ اور الرجل الوحَد کا معنی ہے وہ آدمی جس کا کوئی اصل معلوم نہ ہو۔

"مقاییس اللغۃ" میں ہے:

(وحد) الواو والحاء والدال: أصل واحد يدل على الانفراد. من ذلك الوحدة. وهو واحد قبيلته، إذا لم يكن فيهم مثله. [2]

ترجمہ: (وحد) واو، حا اور دال ایک ایسا مادہ ہے جو انفراد و یکتائی پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ لفظ وحدت بھی اسی سے مأخوذ ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ: فلاں اپنے قبیلے کا اکیلا فرد ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب ان میں اس کا کوئی مثل نہ ہو۔

---

[1] العين، ج٣ص٢٨٠.

[2] مقاييس اللغة-ج٦ص٩٠.

اس کے مطابق "توحید" کے معنیٰ کسی چیز کو ایک کر دینا، یا کسی چیز کو یکتا ومنفرد سمجھنا، کسی کے یکتا وتنہا ہونے کا اعتقاد رکھنا۔

التوحيد في اللغة: الحكم بأن الشيء واحد، والعلم بأنه واحد.[1]

ترجمہ: توحید کسی چیز کے اکیلے ہونے کا اعتقاد رکھنے یا حکم لگانے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

علامہ شہرستانی صاحب توحید کی تعریف کرتے ہیں کہ:

قال أصحابنا: الواحد هو الشيء الذي لا يصح انقسامه؛ إذ لا تقبل ذاتُه القسمة بوجه، ولا تقبل الشركة بوجه، فالباري تعالى واحد في ذاته لا قسيم له ،وواحد في صفاته لا شبيه له، واحد في أفعاله لا شريك له.[2]

ترجمہ: واحد ناقابل تقسیم چیز کو کہتے ہیں، یعنی اس کی ذات کسی طرح کی تقسیم وشرکت قبول نہیں کرتی، پس اللہ تعالی اپنی ذات میں ایسا اکیلا ہے کہ اس کا کوئی مقابل نہیں اور اپنی صفات میں ایسا یکتا ہے کہ اس کا کوئی مماثل نہیں اور اپنے افعال میں ایسا تنہا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حقيقة التوحيد اعتقاد عدم الشريك في الألوهية وخواصها.[3]

---

[1] التعريفات،ص: ٦٩.

[2] نهاية الإقدام في علم الكلام،ص: ٣١.

[3] شرح المقاصد في علم الكلام،خاتمة، ج٢ص٦٤.

ترجمہ: توحید دراصل اللہ تعالی کی الوہیت اور اس کے خواص و لوازم میں شریک نہ ہونے کے اعتقاد کو کہا جاتا ہے۔

علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

التوحيد في اللغة: الحكم بأن الشيء واحد، والعلم بأنه واحد، وفي اصطلاح أهل الحقيقة: تجريد الذات الإلهية عن كل ما يتصور في الأفهام، ويتخيل في الأوهام والأذهان.[1]

ترجمہ: لغت میں توحید کا معنی کسی چیز کے ایک ہونے کا فیصلہ کرنا یا اعتقاد رکھنا اور صوفیاء کرام کے نزدیک توحید ذاتِ باری تعالی کو دل و دماغ میں آنے والے ہر وہم و خیال، تصور و گمان سے پاک سمجھنے کو کہتے ہیں۔

"مسامرہ" میں ہے:

"هو اعتقاد الوحدانية في الذات والصفات والأفعال."[2]

ترجمہ: (توحید) اللہ تعالی کی ذات، صفات اور افعال میں وحدانیت کا اعتقاد رکھنا۔

قاضی محمد علی تھانوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

التّوحيد: هو لغة جعل الشيء واحدا. وفي عبارة العلماء اعتقاد وحدانيته تعالى. وعند الصوفية معرفة وحدانيته الثابتة له في الأزل والأبد، وذلك بأن لا يحضر في شهوده غير الواحد جلّ جلاله.[3]

---

[1] التعريفات، ص: ٦٩.

[2] المسامرة، الأصل العاشر، ج١ص٤٧.

[3] كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ج١ص ٥٢٨.

ترجمہ: توحید کالغوی معنی ہے کسی چیز کو ایک بنانا۔اور علماء کی اصطلاح میں توحید اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ رکھنا ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک ازل وابد میں اللہ تعالیٰ لئے ثابت وحدانیت کا ایسا ادراک کرنا کہ مشاہدہ میں اس ایک ذاتِ حق کے سِوا کچھ نہ رہے۔

"دستور العلماء" میں ہے:

التوحيد هو عدم اعتقاد الشركة في وجوب الوجود على ما قاله المحقق التفتازاني في شرح المقاصد من أن التوحيد عدم اعتقاد الشركة في الألوهية وخواصها .[1]

ترجمہ: توحید یہ ہے کہ واجب الوجود کی ذات میں شرکت کا عقیدہ نہ رہے، جیسا کہ محقق علامہ تفتازانیؒ نے شرح المقاصد میں فرمایا کہ: توحید اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کے خواص میں شرکت کا عقیدہ نہ رکھنے کا نام ہے۔

علامہ ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ نے "رسالہ قشیریہ" میں توحید کی مختلف تعریفات نقل فرمائی ہیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱: امام ابو بکر بن فورک رحمہ اللہ کے نزدیک توحید اللہ تعالیٰ کو یکتا سمجھنے کا نام ہے۔

۲: بعض محققین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ:

ا۔اس کی ذات کا کوئی تقسیم نہیں۔

---

[1] دستور العلماء، ج۱ص۳۷.

۲۔اس کی ذات وصفات بلا تشبیہ ہیں یعنی اس کی ذات وصفات جیسی کوئی ذات وصفت نہیں۔

۳۔اس کے افعال ومصنوعات میں کوئی شریک وسہیم نہیں۔

ان تمام تعریفات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید اس بات کی تصدیق واعتقاد کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات وافعال میں بالکل یکتا اور تن تنہا ہے، ان چیزوں میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں وہی تنہا عبادت کا مستحق ہے۔[1]

اشاعرۃ کی تعریف پر اشکال وجواب

توحید کی یہ جو تعریفات علماء ومتکلمین کی طرف سے نقل کی گئیں ان پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ تعریفات ناقص ہیں اور اس سے توحید کا مقصود ادا نہیں ہو پاتا کیونکہ اصل توحید جس کی طرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام لوگوں کو بلاتے رہیں اور اقوامِ دنیا جس توحید کے انکار پر مصر رہی وہ توحید فی الالوہیۃ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کی جائے جبکہ ان تعریفات میں توحید فی الالوہیۃ کا کوئی ذکر نہیں ہے، توحید فی الذات والصفات والافعال کے تو عام طور پر مشرک اقوام بھی قائل رہے ہیں، اس لئے توحید کا یہ تصور اور یہ تعریفات ناقص ہیں۔ کچھ سالوں پہلے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بنگلہ دیش کے شیخ ابو بکر محمد زکریا نے شرک کے موضوع پر ماجستیر کا ایک مفصل مقالہ لکھا جس میں اشاعرۃ وماتریدیہ کی کتب کلامیہ (وغیرہ) سے مختلف تعریفات نقل کرنے کے بعد یہی کہہ کر ان کو رد کر دیا گیا

---

[1] الرسالة القشيرية، بَاب التوحيد، ج۲ص٤٦٢.

کہ اس میں توحید فی الاُلوہیۃ کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ بعثتِ انبیاء کا بڑا مقصد اسی نوعِ توحید کی طرف دعوت دینا تھا۔ [1]

لیکن یہ اعتراض کچھ زیادہ وقیع نہیں ہے، توحید فی الالوہیۃ کو ان تین اقسام سے الگ کر کے مستقل قسم قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ خود الوہیت ان پر متفرع ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت اسی ذات کاملہ کی کی جاسکتی ہے، جو ان صفات کاملہ سے متصف ہو، جو ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت مانتے ہیں، کافر ومسلمان سے ہٹ کر کوئی بھی عقل وہوش والا شخص بلا وجہ کسی چیز کی عبادت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ چیز ان جیسی صفات کی جامع نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ لہٰذا ذات وصفات اور افعال میں توحید، توحید فی الالوہیت کو مستلزم ہے، اس لئے اس کو الگ اور مستقل قسم قرار دینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ بعض کتابوں میں اگر اپنے ماحول یا موضوع کی مناسبت سے اس کو مستقل قسم کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، تو وہ اپنی بحث، ماحول یا قارئین کی مناسبت کی وجہ سے ہے، اس لئے نہ تو دوسرے اہلِ علم کو کلی طور پر یہ الزام دینا درست ہے اور نہ ہی سب متکلمین کو اس بات کا قصور وار ٹھہرانا قرین انصاف ہے کہ انہوں نے آج تک توحید وشرک کے شرعی مفہوم کو نہیں سمجھا اور توحید کا اصل مقصود ان کی نظر وفکر سے ابھی تک اوجھل رہا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو: الشرك في القديم والحديث، ج١ ص٣١.

توحید وشرک کے درمیان نسبت

توحید وشرک کے درمیان تباین کی نسبت ہے جو چیز توحید ہے وہ شرک نہیں اور جو شرک ہے وہ توحید نہیں ہے، دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، پھر تباین کی مختلف اقسام میں سے ان کے درمیان تقابل تضاد ہے، کیونکہ فی الحقیقۃ دونوں ہی وجودی چیزیں ہیں اور ایک کا مفہوم دوسرے پر موقوف نہیں ہے، البتہ اگر دونوں کے مفاہیم میں توسیع و تعمیم کرکے توحید سے ایمان واسلام اور شرک سے مطلقاً کفر مراد لیا جائے تو پھر دونوں کے درمیان وہی نسبت ہوگی جو ایمان وکفر کے درمیان ہے۔

توحید کارکن

توحید کارکن، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلی تصدیق واعتقاد ہے، اس سے آدمی موحد بن جاتا ہے، جس طرح ایمان بھی تصدیق بالقلب کا نام ہے، لیکن احکام اسلام کے عملی اجراء کے لئے ضروری ہے کہ ضرورت کے وقت زبانی اقرار بھی کرے ایسے ہی توحید میں بھی ضرورت کے وقت زبان سے اس کا اقرار کرنا ضروری ہے، اور اگر خدانخواستہ کوئی شخص یہ رکن بجا نہیں لاتا اور دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتقاد نہیں رکھتا تو وہ عند اللہ موحد نہیں کہلائے گا گو وہ عملی طور پر کسی ظاہری شرک میں مبتلا نہ ہو۔

توحید کی شرائط

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

التوحيد ثلاثة أشياء: معرفة الله تعالى بالربوبية، والإقرار بالوحدانية، ونفي الأنداد عنه جملة.[١]

ترجمہ: توحید دراصل تین چیزیں ہیں: ربوبیت کے ساتھ اللہ تعالی کو پہچاننا، اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا، اس کی ذات سے ہر شریک کی نفی کرنا۔

علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ بھی یہی بات تحریر فرماتے ہیں:

التوحيد ثلاثة أشياء: معرفة الله تعالى بالربوبية، والإقرار بالوحدانية، ونفي الأنداد عنه جملة.[٢]

توحید کی تعریفات و تعبیرات اور ان دونوں عبارتوں میں غور وخوض کے بعد توحید کے معتبر ہونے کے لئے درج ذیل چار شرائط ضروری معلوم ہوتی ہیں:

۱: اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہونا۔

۲: اللہ تعالیٰ کی صفات وافعال کا قائل ہونا۔

۳: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار واعتراف کرنا۔

۴: شرک سے اجتناب کرنا۔

کیونکہ وحدانیت ایک صفت ہے اور کسی ذات کے لئے کوئی صفت تبھی ثابت ہوتی ہے، جب خود وہ ذات موجود ہو، جب تک ذات موجود نہ ہو، اس وقت تک اس کے لئے صفت کا اثبات ناممکن ہے، اس لئے پہلی شرط ضروری ہوئی۔ اسی

---

[١] شرح المقاصد في علم الكلام، خاتمة، ج٢ص٦٤.

[٢] التعريفات، توحيد، ص: ٦٩.

طرح وحدانیت اختصاص کا نام ہے اور کسی چیز میں اختصاص و خصوصیت سے قبل خود ان صفات کا نفس وجود و ثبوت ضروری ہے، اگر کوئی شخص خود ان صفات خداوندی ہی کا قائل نہ ہو، تو وہ موحد نہیں ہو سکتا، اس لئے دوسری شرط بھی ضروری ہوئی۔ وحدانیت کا اقرار و اعتراف اس لئے لازم ہے کہ اس پر توحید و ایمان کے احکام جاری ہو سکیں، جس کی کچھ تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

جہاں تک چوتھی شرط یعنی شرک سے اجتناب کا مسئلہ ہے تو یہ اس لئے ضروری ہے کہ توحید اور شرک آپس میں ضدین ہیں اور ضدین ایک ہی وقت میں ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتے، اس لئے اگر کوئی توحید کے اعتراف کے باوجود شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ توحید شرعاً معتبر نہیں ہوگی اور اس کا یہ دعویٰ ناقابل اعتبار ہوگا کیونکہ توحید تب ہی برقرار رہ سکتی ہے جب کہ شرک سے اجتناب کیا جائے۔

اس کے بعد درج بالا چار (۴) شرائط سے متعلق کچھ متفرق تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی شرط: وجود باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ موجود ہے اسی کی ذات ستودہ صفات نے ہی اس کائنات کو وجود بخشا ہے اور وہی اس نظامِ عالم کا مدبر ہے، یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کو ہر غور و فکر کرنے والا عقل مند آدمی بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، اگر کسی انسان کو عقل و تدبر کی نعمت سے نوازا گیا ہے اور وہ ایک متلاشی حقیقت کی طرح اس نظام کی اصل و حقیقت، اس میں ہونے والے تغیر و تبدیلی میں غور و خوض سے کام لے تو اس دوٹوک اور پختہ نتیجہ تک پہنچنے میں شاید کوئی زیادہ دیر نہیں

لگے گی کہ کوئی ایسی باکمال ہستی ضرور موجود ہے جو اس نظام کو عدم سے وجود میں لاکر بڑی حکمت وتدبر کے ساتھ اس کو چلارہی ہے،اس بات کے سمجھنے کے لئے کسی لمبی چوڑی دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عقل وتدبر کے ساتھ طلب حق کا جذبہ ہی کافی ہے، چنانچہ بعض دیہاتی مزاج لوگوں نے بڑی سادگی کے ساتھ اس پر دلیل قائم کی، کہاکہ:

إن البعرة تدل على البعير، وآثار القدم تدل على المسير، فهيكل علوي بهذه اللطافة، ومركز سفلي بهذه الكثافة، أما يدلان على الصانع الخبير؟![1]

ترجمہ: مینگنی اونٹ کے موجودگی کا پتہ دیتی ہے، قدم کے نشانات چلنے پر دلالت کرتی ہیں، توکیایہ عظیم آسمانی ساخت اپنی لطافت وباریکی کے ساتھ ،اور کرہ ارض کا یہ وسیع وعریض وجود اپنی مضبوطی کے ساتھ ،اس کے بنانے والے خبیر ذات پر دلالت نہیں کرے گا؟

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر۲۱،۲۲کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وقد استدل به كثير من المفسرين كالرازي وغيره على وجود الصانع فقال: وهي دالة على ذلك بطريق الأولى، فإن من تأمل هذه الموجودات السفلية والعلوية واختلاف أشكالها وألوانها وطباعها ومنافعها ووضعها في مواضع النفع بها محكمة، علم قدرة خالقها

---

[1] زاد المسير في علم التفسير، ج١ص٢٦٦.

وحكمته وعلمه وإتقانه وعظيم سلطانه، كما قال بعض الأعـراب: وقد سئل ما الدليل على وجود الرب تعالى؟ فقال: يا سـبحان الله؛ إن البعرة لتدل على البعير، وإن أثر الأقدام لتدل على المسير، فسماء ذات أبراج، وأرض ذات فجاج، وبحار ذات أمواج ألا يدل ذلـك على وجود اللطيف الخبير؟[1]

ترجمہ: بہت سارے مفسّرین جیسے امام رازیؒ وغیرہ حضرات نے اس بات سے وجودِ باری تعالی پر استدلال کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: یہ آیت اللہ تعالی کے وجود پر بطریقِ اولی دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ جو بھی ان زمینی اور آسمانی موجودات میں ذرا سا تأمل کرے گا، اس کے مختلف شکلوں، رنگوں، مزاجوں اور اس کے منافع میں غور کرے گا، اور یہ کہ قدرت نے ان کو کیسی دانائی وحکمت کے ساتھ مفید اور بالکل مناسب ساخت میں تخلیق فرمایا ہے، وہ ضرور ان کو وجود بخشنے والے خالق کی قدرت، حکمت، علم وکمال اور اس کی بے نظیر سلطنت کی عظمتوں کو جان لے گا۔ جیسا کہ کسی بدوی سے پوچھا گیا، کہ اللہ تعالی کی وجود کی کیا دلیل ہے؟ وہ بڑا تعجب سے کہنے لگا، کہ سبحان اللہ! (یہ تو واضح سی بات ہے) جب مینگنی اونٹ کے وجود کا پتہ بتا سکتی ہے، نشاناتِ قدم راہ رَو کے وجود کا ثبوت دے سکتی ہیں، تو کیا یہ بلند وبالا برجوں والے آسمان اور وسیع وعریض گزر گاہوں بھری زمین اس لطیف وخبیر ذات کے وجود کا پتہ نہیں بتا سکتی؟

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ نے بالکل درست تحریر فرمایا کہ:

ان الاعتقاد بوجود الله من الأمور البديهية التي تدرك بـ الحدس النفسي، قبل أن تقبل بالدليل العقلي، فهي لا تحتاج إلى دليـل، وان

[1] تفسير ابن كثير ت سلامة، ج١ص١٩٧.

كانت الادلة على صحتها ماثلة في كل شيء، ولست أعـرض هـذه الأدلة فهي أكثر من أن تستقصى.١

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی کے وجود کا اعتقاد رکھنا ان واضح اور بدیہی امور میں سے ہے جس کے ادراک کے لئے دلیلِ عقلی تلاش کرنے کی بجائے ضمیر کی مخفی صلاحیت ہی کافی ہے۔اس کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں،اگرچہ اس عقیدے کی صحت کی دلیل ہر چیز میں عیاں ہے۔میں ان دلائل کو ذکر نہیں کرتا کیونکہ وہ احاطہ سے باہر ہیں۔

علامہ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمہ اللہ کی حکمت بھری باتوں میں سے ایک ہے کہ:

شتّان بين من يستدلّ به أو يستدلّ عليـه، المسـتدلّ بـه عـرف الحقّ لأهله فأثبت الأمر مِن وجود أصـله والاسـتدلالُ عليـه مِـن عدم الوصول إليه وإلّا فمتى غاب حتى يُستدلّ عليـه ومتـى بعُـد حتّى تكون الآثار هي الّتي توصل إليه."٢

ترجمہ: خالق سے مخلوق کے وجود پر استدلال کرنے یا اس کے برعکس مخلوق سے خالق کے وجود پر استدلال کرنے میں بہت فرق ہے،پہلی صورت میں استدلال کرنے والے نے حقدار کا حق جان لیا ہے ،جبکہ دوسری صورت میں اس کے وجود پر استدلال اس سے ناشناسائی کی دلیل ہے،ورنہ واضح اور عیاں ہونے کی صورت میں دلیل کی کیا ضرورت تھی؟

---

١ تعريف عام بدين الإسلام،الإيمان بالله،وجود الله ص: ٥٣.

٢ الحكم العطائية، ص٥.

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنے استاد علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بڑی اچھی بات نقل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہر چیز پر دلیل ہے تو خود اس کے وجود پر دلیل مانگنے کا کیا معنٰی! اگر چڑھتے سورج کے ہوتے ہوئے بھی کوئی سورج یا دن کی موجودگی پر دلیل کا مطالبہ کرے، تو اس کے جواب میں کیا کہا جا سکتا ہے!

قال ابن القيم رحمه الله: وسمعت شيخ الإسلام تقي الدين ابن تيمية -قدس الله روحه- يقول: كيف يطلب الدليل على من هو دليل على كل شيء. وكان كثيرا ما يتمثل بهذا البيت:

وليس يصح في الأذهان شيء ... إذا احتاج النهار إلى دليل.[1]

ترجمہ: میں نے شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہؒ سے فرماتے ہوئے سنا کہ: جو ذات بذاتِ خود ہر چیز پر دلیل ہے اسی کے وجود پر دلیل مانگنے کا کیا معنی؟ مثال میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ: جب دن کی موجودگی کے لیے بھی دلیل کی ضرورت پڑے تو جان لینا کہ دراصل عقل میں سمجھ کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔

مختصر یہ کہ وجود باری تعالیٰ کوئی ایسا نظری مسئلہ نہیں ہے جس کے اثبات کے لئے دلیل قائم کرنے کی ضرورت پیش آئے اور دلیل واستدلال کے بغیر اس کا قائل ہونا ممکن نہ ہو بلکہ یہ تو ایک فطری سچ اور طبعی حقیقت ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لیکن چونکہ آسمانی ادیان ومذاہب کی بنیاد اسی نظریہ کے تحت ہی قائم ہو سکتی ہے اس لئے آسمانی کتابوں میں مختلف پیرایوں میں اس کو بیان کیا جاتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے بھی متنوع طریقوں سے اس کے اثبات پر زور دیا، یوں

---

[1] المستدرك على مجموع الفتاوى، ج١ص٣٣.

توقرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس اعتقاد کی تعلیم دی ہے اور اس پر طرح طرح سے استدلال فرمایاہے، ان تمام آیات اور انواع استدلال کو یہاں ذکر کرنا مقصود نہیں ،تاہم بیشتر جگہوں پر طریقہ استدلال یہ اختیار فرمایا گیاہے کہ اس کائنات کی بڑی بڑی مخلوقات کا ذکر کرکے انسان کو غور وفکر کی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ سوچ وتدبر سے کام لیکر یہ فیصلہ کرے کہ کیا حکمت وعظمت سے بھرپور مخلوقات کا کوئی خالق ہے یا یوں ہی کسی اتفاقی حادثہ کے نتیجہ میں یہ ساری چیزیں خود بخود وجود میں آئیں ؟ اور اگر کوئی ایسی ہستی ہے جو ان تمام چیزوں کو وجود وخلقت سے نوازتی ہے تو آخر وہ کونسی ہستی ہے ؟ مشرک مزاج لوگوں نے جن چیزوں کو اپنے خیال بد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیاہے، کیا وہ بے چاری مخلوق ان عظیم چیزوں کی کلی یا جزوی طور پر خالق قرار دی جاسکتی ہے ؟

"سورۃ طور" میں ارشادِ خداوندی ہے:

{أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ (٣٥) أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ} [الطور: ٣٥، ٣٦]

ترجمہ: کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہوگئے ہیں یا وہ خود خالق ہیں، یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے نہیں بلکہ وہ یقین ہی نہیں کرتے۔

کئی مستند مفسرین نے اس کے معنٰی یہی بیان فرمایا کہ کیا یہ لوگ بغیر خالق کے خود بخود ہی پیدا ہوئے یا انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو پیدا کیا، یہ "استفہام انکاری" ہے جس میں انسانی ضمیر کو جھنجوڑا جارہاہے اور اس کو غور وفکر کی تلقین کی جارہی ہے، اگر کوئی منکر خدا اس بات پر صدق دل اور انصاف واعتدال کے ساتھ

غور کرے، تو بلا تاخیر اسی نتیجہ تک پہنچ جائے گا جو قرآن کریم استفہام انکاری کے ذریعہ اس سے کہلوانا چاہتا ہے کہ یقیناً نہ کوئی شخص خود بخود عدم سے وجود میں آسکتا ہے نہ ہی کوئی اس حماقت وسفاہت کا قائل ہو سکتا ہے کہ اپنے آپ کا خالق ہو۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{أم خلقوا من غير شيء} قال ابن عباس: من غير رب، ومعناه: أخلقوا من غير شيء خلقهم فوجدوا بلا خالق؟ وذلك مما لا يجوز أن يكون، لأن تعلق الخلق بالخالق من ضرورة الاسم، فإن أنكروا الخالق لم يجز أن يوجدوا بلا خالق، {أم هم الخالقون} لأنفسهم وذلك في البطلان أشد، لأن ما لا وجود له كيف يخلق؟ فإذا بطل الوجهان قامت الحجة عليهم بأن لهم خالقا فليؤمنوا به، ذكر هذا المعنى أبو سليمان الخطابي.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت (آیا وہ بغیر کسی پروردگار کے پیدا ہوئے ہیں) کی تفسیر میں مروی ہے کہ کیا وہ بغیر کسی ایسے رب کے پیدا ہو گئے جس نے ان کو نیست سے ہست کیا؟ نہیں! کیونکہ لفظ مخلوق کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی خالق ضرور ہوگا، پس اگر وہ خالق کا انکار کرتے ہیں تو گویا وہ بغیر خالق کے خود موجود ہو کر اپنے آپ خالق بن گئے؟ یہ تو اس سے بڑھ کر نِری جہالت ہے، کیونکہ جو خود موجود نہیں اسے تخلیق کی کیا سوجھے؟ پس جب یہ دونوں باتیں باطل ہوئی، تو یہ روزِ روشن کی

---

[1] تفسير البغوي ،ج٧ص ٣٩٢.

طرح ثابت ہو گیا کہ ضرور ان کو وجود بخشنے والی ایک ذات ہے جس پر انہیں ایمان لانا ضروری ہے۔

قدیم فلاسفہ اور وجود خدا

وجود باری تعالیٰ کا مسئلہ کوئی نظری مسئلہ نہیں، بلکہ بدیہی اور فطری بات ہے، اس لئے منصف مزاج، عقل مند آدمی اس کا انکار نہیں کر سکتا، فلاسفہ میں سے جو لوگ انصاف پسند طبیعتوں کے حامل تھے وہ پورے یقین کے ساتھ اس کے قائل تھے، چنانچہ علامہ شہرستانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں یونان کے حکماء اور فلاسفہ کے نظریات واقوال نقل کئے ہیں جن میں سے اکثر شریعت اور وحی کی روشنی کے بغیر محض اپنی عقل کی وساطت سے اس حقیقت کو پا چکے تھے کہ یہ عظیم اور منتظم کائنات یقیناً کسی صانع کامل ہی کی پیدا کردہ ہے وہ ذات جسمانی کثوفت اور انسانی کمزوریوں سے بالکل پاک ومنزہ ہے، وہی ہستی اس خالق کائنات بھی ہے اور مدبر بھی۔

علامہ شہرستانی فرماتے ہیں کہ جن حکماء کو اساطین حکمت (حکمت وفلسفہ کے ستون) کہا جاتا ہے وہ سات (۷) تھے:

۱: تالیس ملطی۔ ۲: انکساگورس۔ ۳: انکسی مانس۔ ۴: انباد قلیس۔ ۵: فیثاغورس۔ ۶: سقراط۔ ۷: افلاطون۔

یہ سب نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے بلکہ اس کی وحدانیت کے بھی معترف تھے اور آپس میں چند نظریات ومسائل میں اختلاف وتنوع کے باوجود یہ بات ان کے درمیان متفق ومشترک تھی کہ کائنات کو وجود بخشنے

والی کوئی ہستی ضرور موجود ہے اور وہ اپنی ذات بالکل تن تنہا ہے اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔اور یہ نظریہ صرف انہی حکمائے سبعہ کا نہ تھا بلکہ علامہ شہرستانی کے بقول ان کے بعد جو فلاسفہ وحکماء گزرے جن میں کسی نے شعر وشاعری کی راہ اختیار کی اور کسی نے زہد وعبادت کا راستہ اپنایا، وہ سب یا اکثر اسی نظریہ کے حامل اور اسی کے معتقد تھے۔

علامہ شہرستانی حکمائے سبعہ کے نام گنوانے کے بعد فرماتے ہیں:

وتبعهم جماعة من الحكماء، مثل فلوطرخيس، وبقراط، وديمقريطيس، والشعراء، والنساك. وإنما يدور كلامهم في الفلسفة على ذكر وحدانية الباري تعالى، وإحاطته علما بالكائنات، كيف هي؟ وفي الإبداع، وتكوين العالم، وأن المبادئ الأول: ما هي؟ وكم هي؟ وأن المعاد: ما هو؟ ومتى هو؟. وربما تكلموا في الباري تعالى بنوع حركة وسكون.[1]

ترجمہ :اور حکماء کی ایک جماعت نے ان کی پیروی کی ہے، جیسے پلوطرخیس، بقراط، دیمـ قریطس اور دیگر شعراءاور پرہیزگاروں نے۔فلسفہ میں ان حضرات کا کلام انہی باتوں کے گرد گھومتا ہے کہ اللہ ایک ہے وہ باعتبارِ علم پوری کائنات کا احاطہ کرنے والا ہے،اس (کائنات) کی کیفیت کیا ہے؟ نیز نت نئے تخلیقی کرشموں،اور نظامِ عالم کی تکوین،اور یہ کہ اس دنیائے رنگ وبُو کی ابتدائے آفرینش میں پہلے بنیادی اصول کیا تھے؟اور کتنے تھے؟ معاد کی حقیقت کیا ہے؟اور کب ہے؟ یہ سب باتیں حکماء کی

---

[1] "الملل والنحل" ج۲ص۱۱۹

گفتگو کا محور ہوتا ہے۔ کبھی ذاتِ باری تعالی کے متحرک اور ساکن ہونے کے بارے بھی کچھ کہ جاتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ شہرستانی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کے متعلق ان فلاسفہ کے اقوال نقل کئے ہیں، "تالیس" کا قول نقل کرتے ہیں:

إن للعالم مبدعا، لا تدرك صفته العقول من جهة هويته، وإنما يدرك من جهة آثاره، وهو الذي لا يعرف اسمه فضلا عن هويته، إلا من نحو أفاعيله، وإبداعه، وتكزينه الأشياء. فلسنا ندرك له اسما من نحو ذاته، بل من نحو ذاتنا.[1]

ترجمہ: اس عالمِ ناسوت کا ایک خالق ہے، عقل جن کی حقیقت کنہ کا ادراک نہیں کر سکتی، بلکہ اس کا ادراک اس کے آثار وعلامات سے ہوتا ہے، وہی ذات ہے جس کا نام بھی معلوم نہیں چہ جائے کہ اس کی حقیقت کی کھوج لگائی جائے، ہا ں ان کی قدرت کی کارستانیوں، نو ایجادی کرشموں اور نظامِ عالم میں اس کی تکوینی کمال میں غور کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ہم اس کے نام کا ادراک بھی اس کے ذات کے لحاظ سے نہیں اپنے لحاظ سے کرتے ہیں۔

"انکساگورس" کے متعلق لکھتے ہیں:

" رأيه في الوحدانية مثل ما رأى تاليس.[2]

ترجمہ: وحدانیت کے بارے میں اس کی رائے بھی تالیس کی رائے کی طرح تھی۔

"انکسی مانس" کا قول نقل کرتے ہیں:

---

[1] "الملل والنحل" ج٢ص١٢٤

[2] "الملل والنحل" ج٢ص١٢٢

قال: إن الباري تعالى أزلي لا أول له ولا آخر. هو مبدأ الأشياء ولا بدء له. هو المدرك من خلقه أنه هو فقط، وأنه لا هوية تشبهه، وكل هوية فمبدعة منها هو الواحد ليس كواحد الأعداد، لأن واحد الأعداد يتكثر، وهو لا يتكثر. وكل مبدع ظهرت صورته في حد الإبداع فقد كانت صورته في علمه الأول، والصور عنده بلا نهاية.١

ترجمہ: انکسی مانس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی کی ذات ہمیشہ سے ہے اس کے لئے نہ ابتداء ہے نہ انتہاء، وہی تمام اشیاء کے لئے نقطہء آغاز اور مبدأ ہے خود اسی کے لئے کوئی ابتداء نہیں۔ اس کا ادراک اس کی مخلوق سے ہوتا ہے، ایسی کوئی حقیقت نہیں جو اس کے مشابہ ہو، اور تمام حقائق اس نقاشِ ازل کی ایجاد سے وجود پزیر ہیں، وہ ایک ہے مگر اعداد کی اکائی کی طرح نہیں کیونکہ اعداد کی اکائی قابل تقسیم ہوتی ہے، جبکہ اس کی ذات منقسم نہیں ہوتی۔ اور ہر نئی چیز جب نئی ایجاد کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، تو اس کی صورت ازل سے اس کے علم میں ہوتی ہے، اس کے ہاں شکلوں اور صورتوں کے لامحدود خزانے ہیں۔

"فیثاغورس" کا قول ذکر کرتے ہیں:

قال: إن الباري تعالى واحد لا كالآحاد، ولا يدخل في العدد، ولا يدرك من جهة العقل ولا من جهة النفس، فلا الفكر العقلي يدركه، ولا المنطق النفسي يصفه، فهو فوق الصفات الروحانية، غير مدرك من نحو ذاته، وإنما يدرك بآثاره وصنائعه وأفعاله.٢

---

١ "الملل والنحل" ج٢ص١٢٤

٢ الملل والنحل، ج٢ص١٣٢

ترجمہ: فیثاغورس کا کہنا ہے کہ ذاتِ باری تعالی ایک ہے مگر اکائیوں کی طرح نہیں اس کا ادراک نہ عقل سے ہو سکتا ہے نہ وجدان سے، پس عقل و نظر اس کی کنہ تک پہنچ سکتی ہے نہ وجدانی آواز اس کی حقیقت پا سکتی ہے، کیونکہ وہ روحانی صلاحیتوں کی پہنچ سے بالاتر ہے، اس کی ذات کا ادراک اس کی حقیقت کے ساتھ ناممکن ہے، مگر اسے اپنی قدرت کے آثار، اس کی کاریگری کے مظاہر اور اس کی کارستانیوں کے جلووں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

"سقراط" کا نظریہ ذکر کرتے ہیں:

قال سقراط: إن الباري تعالى لم يزل هوية فقط، وهو جوهر فقط. وإذا رجعنا إلى حقيقة الوصف، والقول فيه وجدنا المنطق والعقل قاصرين عن إكتناه وصفه، وحقيقته، وتسميته، وإدراكه، لأن الحقائق كلها من تلقاء جوهره، فهو المدرك حقا، والواصف لكل شيء وصفا، والمسمى لكل موجود اسما، فكيف يقدر المسمى أن يسميه اسما؟ وكيف يقدر المحاط أن يحيط به وصفا؟ فنرجع فنصفه من جهة آثاره وأفعاله، وهي أسماء وصفات، إلا أنها ليست من الأسماء الواقعة على الجوهر المخبرة عن حقيقته.[1]

ترجمہ: سقراط کا کہنا ہے: کہ ذاتِ باری تعالی ازل سے ایک حقیقت اور ایک جوہر ہے۔ جب ہم اس کی حقیقت سمجھنے یا اس کے بارے میں کچھ کہنے کا ارادہ کرتے ہیں تو یہ بات کہ ہم اس کی حقیقت کو پا سکے، اس کی کنہ سے کوئی تعبیر کر سکے، اسے سمجھ کر کوئی نام دے سکے اسے کہنے سے ہماری زبان گنگ اور عقل دھنگ رہ جاتی ہے،

[1] الملل والنحل، ج۲ص۱٤۲

کیونکہ حقائق توسب کے سب اسی کے جوہر کمال سے متحقق ہے، پس دراصل وہی ہر چیز کو بہتر سمجھنے والااس کی کم و کیف کو کماحقہ بیان کرنے والااور ہر موجود کو درست نام دینے والاہے۔اس کے سوا کسی کی کیامجال؟ کہ وہ اسے کوئی اسم بامسمّی دے سکے۔ نیز ایک محدود اس غیر محدود کی صفت کا احاطہ کیونکر کر سکے؟ پس ہم اسے اس کے آثار وافعال کے ذریعے بیان کر سکتے ہیں، جو کہ اسماء وصفات ہیں، وہ اسماء بھی واقع کے ایسے مطابق نہیں کہ اس جوہر کی حقیقی شان سے خبر دار کر سکے۔

"افلاطون"جو"سقراط"کا شاگرد تھا اور استاذ کے مرنے کے بعد اسی باکمال شاگرد نے اس کی جگہ سنبھالی تھی، اس کے تلامذہ اور دیگر دیکھنے والے نقل کرتے ہیں کہ یہی "افلاطون" کہتا تھا:

إن للعالم محدثا مبدعا، أزليا، واجبا بذاته، عالما بجميع معلوماته على نعت الأسباب الكلية، كان في الأزل ولم يكن في الوجود رسم ولا طلل، إلا مثالا عند الباري تعالى، ربما يعبر عنه بالهيولى، وربما يعبر عنه بالعنصر، ولعله يشير إلى صور المعلومات في علمه تعالى.[1]

ترجمہ: بے شک اس عالم کے لئے ایک باکمال، ازلی موجِد ہے، جس کی ذات ضروری ہے، وہ اپنی تمام معلومات اور اس کے اسبابِ کلّیہ سے بخوبی واقف ہے، وہ ازل میں موجود تھا جبکہ کسی شے کا نام ونشان تک نہیں تھا، سوائے مثال کے جو کہ باری تعالی کے ہاں تھی، جسے کبھی ہیولٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی عنصر سے۔ شاید اس سے اللہ تعالی کے علم میں موجود معلومات کی صورتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

[1] الملل والنحل، ج۲ص۱۱۹.

یہ تو ان فلاسفہ کے کچھ اقوال کا مختصر سانمونہ تھا، علامہ شہرستانی نے اس کے بعد فلاسفہ متاخرین کی آراء اور ان کا طریقہ استدلال بھی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایاہے جو قابل دید ہے خصوصاارسطوطالیس کے کائنات و دلائل۔ یہاں ان سب فلاسفہ کے اقوال نقل کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ ہی گنجائش، مقصود یہ ہے کہ وجود خداوندی ایک اٹل حقیقت اور فطری سچ ہے جس سے کسی عاقل منصف کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے، ہمیں اس سے انکار نہیں کہ انسانیت کی اس طویل تاریخ میں کوئی منکر خدا نہیں گزرا، لیکن مدعا یہ ہے کہ دہریت اور انکار خدا کی ایک مستقل تنظیم و تحریک کی شکل ماضی قریب میں ہی ملی ہے۔

دوسری شرط: اللہ تعالیٰ کے صفات وافعال کا اعتقاد رکھنا

توحید کی دوسری شرط یہ ذکر کی گئی تھی کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو کچھ صفات وافعال ثابت ہیں، ان کا اعتقاد رکھا جائے مثلاً خلق، علم ،تدبیر وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، توحید کے لئے ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ماننا لازم ہے، اگر کوئی شخص خود ان صفات ہی کو نہیں مانتا تو وہ موحد نہیں بن سکتا، کیونکہ توحید تو یہ ہے کہ ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص سمجھا جائے اور غیر اللہ کے لئے ان صفات کے ثابت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ اختصاص، نفس ثبوت کے بعد ہی متصور ہو سکتی ہے یعنی کوئی چیز دوسری کے ساتھ تبھی مخصوص ہو سکتی ہے جب وہ چیز موجود خود ہو، کسی چیز کے وجود کا انکار اس کے اختصاص سے انکار کو مستلزم ہے ، لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت والی

صفات وافعال کا قائل نہ ہو وہ موحد نہیں ہے اگرچہ عملی طور پر وہ غیر اللہ کے لئے ان صفات کو ثابت نہ قرار دیتا ہو۔

اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اس تفصیل کے مطابق تو جہمیہ اور معطلہ وغیرہ، وہ لوگ موحد اور مسلمان نہیں قرار پا سکتے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کو مسلمان فرقوں میں سے شمار کیا جاتا ہے اور محض اس بات کی بنیاد اہلِ علم نے ان کی تکفیر نہیں فرمائی!

اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا انکار کرنا اگرچہ بالکل غلط اور گمراہی ہے لیکن اس کے باوجود ان کو محض اس کی وجہ سے کافر نہ قرار دینے کی ایک بڑی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ نصوصِ صفات کا صریح انکار نہیں کرتے بلکہ تاویل کی راہ چلتے ہیں اور تاویل بہت سی جگہوں میں مانع تکفیر بن جاتا ہے کیونکہ کفر و تکفیر کی بنیاد شارع کی تکذیب یا عدمِ تصدیق ہے اور تاویل اس میں صریح نہیں ہے۔

تیسری شرط: اقرار باللسان

توحید کے معتبر ہونے کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ ضرورت کے وقت زبان سے اس کا اقرار بھی کیا جائے، راجح یہی ہے کہ خود توحید کے مفہوم متحقق ہونے کے لئے زبان سے اقرار کرنا لازم نہیں ہے تاہم توحید سے متعلقہ احکام کسی شخص پر تبھی جاری ہو سکتے ہیں جبکہ وہ مطالبہ کے وقت اس کا اقرار بھی کرے، اگر کوئی شخص مطالبہ کے وقت اور استطاعت کے باوجود بلا وجہ زبان سے توحید کا اقرار نہیں کرتا تو کم از کم دنیوی احکام میں اس کو مسلمان یا مؤمن سمجھنا درست نہیں ہے۔

چوتھی شرط: شرک کا ارتکاب نہ کرنا

یہ توحید کے معتبر ہونے کی چوتھی شرط ہے جس کے بغیر توحید کا شرعاً اعتبار نہیں ہے، اگر کوئی شخص توحید کا بھی دعویٰ کرتا ہے اور ساتھ کسی کو اس کے ساتھ شریک بھی قرار دیتا ہے، تو یہ نِرا دعویٰ ہی ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور محض اس زبانی دعویٰ کی وجہ سے اس کو موحد قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہوگا، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ شرک اور توحید ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دو متضاد چیزوں میں سے ایک جگہ ایک وقت میں ایک ہی چیز موجود ہوسکتی ہے اب جب وہ شرک کا اعتقاد رکھتا ہے تو لامحالہ توحید باقی نہ رہے گی۔

پانچویں شرط: تقاضائے توحید پر عمل کرنا

توحید جن امور کا تقاضا کرتی ہے وہ یوں بہت زیادہ ہیں البتہ بنیادی طور پر اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ایک حصہ ان امور کا ہے جن کے انتفاء سے توحید کا انتفاء لازم آئے اور دوسری قسم وہ اشیاء ہیں جو اس حد تک تو لازم نہ ہو کہ جس کے ختم ہونے سے توحید کا ختم ہونا لازم آتا ہو

لیکن بہرحال عقیدہ توحید اس کا متقاضی ہے چاہے وجوب ولزوم کے درجہ میں ہو یا ندب واستحباب کے مرتبے میں ہو، مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ کا اہتمام کرنا۔ چوری، غیبت وغیرہ گناہوں ومعاصی سے بچتے رہنا، الغرض اکیلے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان لانے کے بعد اس کے تمام احکام کو عملی طور پر بجالانا۔ پہلی قسم کی چیزیں تو شرط نمبر ۴ کے تحت داخل ہیں لیکن دوسری قسم کی چیزیں اس کے تحت داخل نہ تھیں۔ البتہ یہ پانچویں شرط چونکہ توحید کے صحت اور وجود کے لئے

ضروری نہیں ہے بلکہ کمالِ توحید کی شرط ہے،اس لئے اس کو اجمالی شرائط میں ذکر نہیں کیا گیا۔

توحید کا حکم

توحید کے مختلف درجات ہیں جن کے احکام میں بھی کچھ فرق ہے ،ایک درجہ تو وہ ہے جو فرض عین اور دین اسلام کی روح واساس ہے، وہ یہ ہے کہ ذات وصفات وافعال میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتا ہونے کا اعتقاد رکھا جائے، تنہا اسی کو معبود و مسجود ٹھہرایا جائے، اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ اور استحقاق عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دیا جائے، یہ توحید کا وہ رتبہ ہے جو کسی بھی شخص کے مسلمان بننے اور مسلمان رہنے کے لئے اصل اصیل اور رکن رکین کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا، اس کے بعد پھر توحید کے مختلف مراتب و مدارج ہیں جن میں کمی زیادتی بھی ہوسکتی ہیں ان درجات میں ترقی کرنا اور توحید کو اپنے مقتضیات سمیت کمال تک پہنچانا نہایت مستحسن اور مفید ہے تاہم ان تمام درجات کا حکم یکساں نہیں ہے جیسا کہ ایمان کا حال ہے کہ تصدیق بالقلب کی حد تک فرض عین اور عین اسلام ہے اس کے بعد پھر مختلف درجات ومقتضیات ہیں جن میں بعض فرض وواجب اور بعض مسنون ومستحب ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

فصل دوم: دلائل توحید:

اللہ تعالیٰ اپنے ذات وصفات وافعال میں یکتا اور تن تنہا کیوں ہے؟ توحید کے ضروری ہونے کی دلیل کیا ہے؟ یہ علم کلام کا مستقل و اختصاصی موضوع ہے جس پر متکلمین نے مختلف دلائل قائم فرمائے ہیں، امام ابو منصور ماتریدی نے اپنی "کتاب التوحید" میں "محدث العالم واحد" کے عنوان کے تحت اس پر مختلف دلائل ذکر فرمائے ہیں، علامہ عضد الدین ایجی اور جرجانی رحمہا اللہ نے مواقف اور شرح مواقف میں دس مختلف دلائل ذکر کی ہیں، علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ نے "دلائل التوحید" کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی اور آسان انداز میں 25 مختلف دلائل ذکر فرمائے، اس کے علاوہ دیگر کتب دینیہ اور کلامیہ میں بھی تفصیل کے ساتھ توحید اور اس کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

دلائل نقلیہ

یہاں ان تمام دلائل اور ان کے طرقہائے استدلال کی تفصیلات میں جانا مشکل ہے، سرِ دست اتنا سمجھنا کافی ہے کہ دلیل کی دو قسمیں ہیں: دلیل نقلی اور دلیل عقلی۔ توحید کی حقانیت ولزوم پر سینکڑوں نقلی و عقلی دلائل دال ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ دلیل نقلی میں قرآن وحدیث اور اجماع امت داخل ہیں، قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں توحید کا بیان ہے اسی طرح بلا مبالغہ ہزار سے زیادہ احادیث

مبارکہ توحید کی حقانیت پر دلالت کرتی ہیں، جہاں تک اجماع امت کا تعلق ہے تو اجماع کی سب سے اشرف واقویٰ شکل اگر کوئی ہے تو یہی کہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا قولی صریح اجماع ہو، توحید کی حقانیت اور اس کے ضروری ہونے پر اجماع کی یہی قسم دال ہے کیونکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام بلا استثناء توحید کے قائل، اس کی طرف داعی اور اس کے علمبردار ہوتے ہیں اور یہی عقیدہ توحید ان کے مقاصد نبوت کا بڑا حصہ ہوتا ہے جس کے لئے ان حضرات کی بعثت ہوتی ہے، نبوت ورسالت کے نعمت ومنصب پر فائز تمام ہستیاں اپنی اپنی قوموں کو توحید کی طرف دعوت دیتے ہیں اس میں کسی نبی کا استثناء ناممکن ہے،اور اس اجماع کا نقل وثبوت دونوں قطعی ہیں، قرآن کریم میں ہے:

{وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّـهُ لَا إِلَـهَ إِلَّا أَنَـا فَاعْبُدُونِ} [الأنبياء: ٢٥]

ترجمہ: ہم نے تم سے پہلے ایسا کوئی رسول نہیں بھیجا جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کرو۔

اجماعِ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور علماء ومجتہدین رحمہم اللہ بلکہ تمام مسلمانوں کا ہمیشہ سے اس پر اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بالکل اکیلا اور تن تنہا ہے اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔

قرآن کریم کا اسلوبِ بیان

یوں تو قرآن کریم بلکہ سب کتب سماویہ اور حضور نبی کریم ﷺ بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے نزول وبعثت کے بنیادی مقاصد میں

سے ایک اہم مقصد عقیدہ توحید کی حفاظت ہے اس لئے قرآن وسنت کا ایک بہت بڑا حصہ توحید کی اہمیت وفضیلت اور شرک کی برائی ومذمت پر مشتمل ہے جس میں متعدد اسالیب سے اس کی تفصیل بتلائی گئی ہے اس کی کچھ تفصیل مولانا لعل شاہ بخاری صاحب کی کتاب "توحید وشرک کی حقیقت" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، تاہم قرآن کریم میں بنیادی طور پر دو اسلوب بیان اختیار فرمائے ہیں گئے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی وعظمت بتائی گئی اور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی صفات کا بیان کیا گیا، کیونکہ شرک کا ارتکاب تبھی کیا جاتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عظمت سے ناواقف ہو، اگر اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی بڑائی وکبریائی سے کوئی شخص واقف ہو تو وہ ہر گز نہ کسی غیر اللہ کی عبادت کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کو صفات الوہیت سے متصف سمجھ سکتا ہے، علامہ آلوسی رحمہ اللہ ایک بات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

لا شك في أن العبادة والمعرفة سبب لعدم الإشراك إذ من عرف الله تعالى لا يسوي به سواه.[1]

ترجمہ: بے شک عبادت اور معرفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنانے کا سبب ہے، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے، وہ کبھی کسی غیر کو اس کے برابر نہیں سمجھ سکتا۔

۲۔ توحید کی اہمیت وضرورت کا دوسرا بڑا اسلوبِ بیان جو قرآن کریم میں اختیار فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کو غور وفکر کرنے کی ترغیب دی گئی، کبھی اللہ تعالیٰ

---

[1] روح المعاني، ج۱ص۱۹۳.

کی قدرتِ کاملہ اور غیر اللہ کی ضعف وکمزوری کی تفصیل کر کے دونوں میں مقارنت کی دعوت دی گئی کہ ان دونوں میں کہاں مساوات ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق عبودیت کیونکر ان کمزور وناتواں مخلوق کے کندھوں سجایا جاسکتا ہے!

دلیلِ نقلی سے استدلال پر اشکال وجواب

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ دلیل نقلی اور قرآن وسنت سے توحید پر کیونکر استدلال کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ قرآن وسنت کا ثبوت توحید پر موقوف ہے تو توحید کو قرآن وسنت کے دلائل پر کیونکر موقوف کیا جاسکتا ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ بعض متکلمین کا یہی خیال ہے اور وہ توحید کے اثبات وحقانیت کے لئے قرآن وسنت سے استدلال کرنے کو کافی نہیں سمجھتے، لیکن بہت سے متکلمین کے نزدیک یہ بات درست نہیں اور قرآن وسنت کی حقانیت توحید پر نہیں بلکہ وجود خدا اور ثبوت نبوت ورسالت پر موقوف ہے براہ راست توحید پر اس کا دار مدار نہیں ہے اس لئے قرآن وسنت کے نصوص سے بلا تکلف توحید پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور بہت سے متکلمین نے عملاً دلائل سمعیہ کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

چنانچہ متکلمین کے سر خیل امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال أبو منصور رحمه الله والدلالة أن محدث العالم واحد لا أكثر السمع والعقل وشهادة العالم بالخلقة فأما السمع فهو اتفاق القول على إختلافهم على الواحد إذ من يقول بالأكثر يقول به على أن

الواحد.[1]

ترجمہ: امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے تین بڑے دلائل ہیں: سمع، عقل اور مخلوقات کا پیدا ہو جانا: سمع تفصیل یہ ہے کہ آپس میں مختلف ہونے کے باوجود خدا کے ایک ہونے پر وہ متفق ہے (اور جو تعدد کے قائل ہیں وہ بھی اصل خدا کو ایک مانتے ہیں دیگر کو وسیلہ سمجھتے ہیں)۔

تاہم اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ اگر کسی کو ابھی تک قرآن وسنت کی تصدیق اور اس پر ایمان لانے کی توفیق وسعادت نصیب نہیں ہو سکی تو اس کو عقلی دلائل اور عقلی طریقہ کار سے ہی توحید کا قائل کیا جا سکتا ہے اور ایسا شخص اگر واقعۃً طالبِ حق ہے تو اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ عقلی دلائل سے بھی اس کی تسلی کرانے کی کوشش کریں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نقلی دلائل بے کار اور بلا فائدہ ہیں، نہیں ہر گز نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دلیل کی حیثیت دوا کی ہے جو ہر مرض اور مریض کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے اگر کوئی مفید دوا کسی مریض کے حق میں کار آمد ثابت نہیں ہوتی تو اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ دوا میں خلل ہے، یہی حال یہاں بھی ہے کہ نقلی دلائل بعض اوقات عقلی دلائل کی بنسبت زیادہ تسلی بخش اور کار آمد ہوتی ہیں لیکن بعض بیماروں کے حق میں وہ زیادہ موثر ظاہر نہیں ہوتی۔

عقلی دلائل:

عقلی لحاظ سے بھی مختلف انواع استدلال سے توحید کی حقانیت وضرورت ثابت ہوتی ہے، پھر عقل مندوں کی بھی ایک جہان ہے، جس عاقل پر جہت عقل غالب ہو

[1] التوحيد للماتريدي، مسألة محدث العالم واحد ص: ١٩.

اسی کی مناسبت سے وہ اللہ تعالٰی کی وحدانیت پر عقلی دلیل سوچتا ہے اور ترتیب دیتا ہے، اگر دنیا بھر کے عقلاء کے ان تمام دلائل کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم ذخیرہ بن جائے گا، علامہ کفوی رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

وللمتكلمين دلائل كثيرة في إثبات الوحدانية كما نقل عن الإمام الرازي أنه استدل بألف وعشرين دليلا، لكن المشهور بينهم هو الدليل الملقب ببرهان التمانع. وللحكماء أيضا دلائل جمة على ثبوت الوحدانية له تعالى مغايرة لدلائل المتكلمين يستدلون بالأثر على المؤثر كالسماء والأرض على ما هو المشهور بين الجمهور...[1]

ترجمہ: اثباتِ وحدانیت پر متکلمین کے پاس بہت سارے دلائل ہیں جیسا کی امام رازیؒ سے منقول ہیں، کہ انہوں نے اس پر ایک ہزار بیس (۱۰۲۰) دلائل قائم فرمائے، البتہ ان کے مابین مشہور دلیل وہ ہے جسے برہانِ تمانع کہتے ہیں۔ ذاتِ باری تعالی کے لئے وحدانیت کے ثبوت پر حکماء کے دلائل کا بھی ایک انبار ہے، جو کہ متکلمین کے دلائل سے مختلف ہیں۔ جمہور حکماء کے مشہور قول کے مطابق وہ نقش (اثر) سے نقّاش (مؤثر) کے وجود پر استدلال کرتے ہیں جیسے زمین وآسمان کی دلالت اس نقّاشِ ازل پر۔

برہانِ تمانع

علم کلام کی مبسوط کتب مثلاً شرح مقاصد وشرح مواقف وغیرہ میں مختلف عقلی استدلالات ذکر کئے گئے ہیں مگر ان میں سے جو زیادہ مشہور دلیل ہے اس کو "برہان تمانع" سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر۔ نعوذ باللہ الواحد۔ ایک

---

[1] الكليات، ص: ٩٣٣.

سے زائد خدائے بر حق موجود ہوں تو ان کا آپس میں اختلاف ممکن ہے پھر اختلاف کے وقت یا تو دونوں کی مراد پوری ہو گی یا دونوں کی پوری نہیں ہو گی یا صرف کسی ایک کی مراد پوری ہو جائے گی اور دوسرے کی نہیں، ان تینوں صورتوں میں محال لازم آتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دونوں کی مراد یکجا پوری ہو جائے تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا، اگر دونوں کی مراد پوری نہ ہو تو دونوں کا عاجز ہونا لازم ہو جائے گا جبکہ خدا کا قادر مطلق ہونا ضروری ہے، اگر کسی ایک کی مراد پوری ہو جائے تو دوسرے کا عاجز ہونا لازم آئے گا جو کہ الہیت کے منافی ہے۔

مثال کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زید کی حرکت وسکون ایک فعل ہے مختلف خداؤں کے ارادے اگر مختلف ہو جائیں اور ایک چاہے کہ زید حرکت کرے دوسرا اسی لمحہ اس کا سکون چاہے، تو اب اگر ایک ہی وقت میں دونوں کی مراد پوری ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ زید ایک وقت میں متحرک بھی ہو اور وہی زید اسی وقت ساکن بھی ہو حالانکہ حرکت وسکون ضدین ہیں جو بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، دونوں کا ارادہ پورا ہونے کا مطلب یہ ہو گا کہ زید نہ متحرک رہے نہ ساکن، حالانکہ یہ ارتفاع نقیضین ہے، اگر زید اس لمحہ حرکت کرے تو جس خدا نے اس کا سکون چاہا تھا وہ مغلوب وعاجز آیا اور اگر اس کا برعکس ہو تو حرکت چاہنے والے خدا کا عجز ثابت ہو جائے گا اور عجز ومغلوبیت دونوں الوہیت کے مصادم ہیں۔

قرآن کریم میں بعینہ تو یہ دلیل ان تفصیلات کے ساتھ مذکور نہیں تاہم درجِ ذیل آیت کریمہ سے اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

{ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ} [الأنبياء: ٢٢]

ترجمہ: اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں خراب
اللہ عرش کا مالک ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

یہ قیاس استثنائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی الہ موجود ہوتا تو زمین وآسمان میں فساد آتا اور چونکہ زمین وآسمان بلکہ پوری کائنات کے نظام میں فساد موجود نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ بھی موجود نہیں ہے، اس حد تک جو استدلال ہے وہ قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے کیونکہ تعدد الہ سے فساد بالفعل تو لزوم عقلی کے ساتھ لازم نہیں آتا اور اگر "الفسدتا" سے امکان فساد مراد ہو تو وہ منتفی نہیں ہے بلکہ ثابت ہے چنانچہ قیامت کے دن زمین وآسمان کا بدل جانا خود قرآن کریم میں مذکور ومنصوص ہے جو کہ فساد ہی کی ایک کامل شکل ہے۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ وغیرہ جن حضرات نے آیت کریمہ کے طرزِ استدلال کو جو حجت اقناعی قرار دیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ خود آیت میں موجود طرزِ استدلال منطقی اصطلاح میں قیاس برہان نہیں ہے جو کہ قطعی ہوتا ہے بلکہ اقناعی وظنی ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ خود برہان تمانع ہی ظنی ہے نہ ہی اس کا یہ معنیٰ ہو سکتا ہے کہ توحید کی کوئی دلیل قطعی اس کے علاوہ موجود نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جن بعض حضرات متکلمین نے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی محض اس بناء پر تکفیر کی کہ

وہ اس استدلال کو اقناعی قرار دے رہے ہیں، محققین نے ان کی پر زور تردید فرمائی اور دونوں باتوں کے درمیان یہی وجہ تطبیق ذکر فرمائی۔

علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ اپنی مفید کتاب "نبراس" میں تحریر فرماتے ہیں:

"يريد أنّ الدليل الذي يفيده لفظ هذه الأية ظنّي، أمّا البرهان الّذي يستنبط بانتقال الذهن مِن ظاهرها إلى باطنها قطعي كما مرّ."[1]

ترجمہ: علامہ تفتازانی کی مراد یہ ہے کہ آیت کے ظاہری الفاظ سے جو دلیل معلوم ہوتا ہے وہ ظنّی ہے، لیکن جب ذہن کو آیت کے ظاہر سے اس کے باطن کی طرف منتقل کیا جاتا ہے، تو اس سے جو دلیل مستنبط ہوتی ہے وہ قطعی ہوتی ہے، جیسا کہ گزر گیا۔

علامہ ابی المظفر اسفرائینی کی تعبیر

علامہ اسفرائینی رحمہ اللہ نے اسی آیت کریمہ کی روشنی میں توحید خداوندی پر ایک اور طرح سے استدلال فرمایا ہے جو کافی سہل اور مفید ہے، چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب "التبصیر فی الدین" میں اہل سنت والجماعت کے ضروری عقائد و نظریات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَأَن تعلم أَن خَالق الْعَالم وَاحِد لِأَنَّهُ لَو كَانَ اثْنَيْنِ وَلم يقدر أَحدهمَا على كتمان شَيْء من صَاحبه كَانَت قدرتهما نَاقِصَة متناهية وَأَن قدر أَحدهمَا على كتمان شَيْء من صَاحبه كَانَ علم كل وَاحِد مِنْهُمَا نَاقِصا متناهيا وَمن كَانَ علمه أَو قدرته متناهيا نَاقِصا لم يكن إِلَهًا صانعا بل كَانَ مخلوقا مصنوعا.[1]

---

[1] النبراس، ص١٦٥. مكتبة البشرى.

ترجمہ: اس عالم کا خالق ایک ہی ہے اس لئے کہ اگر دو ہو اوران میں سے ایک دوسرے سے کوئی چیز چھپانے پر قادر نہ ہوتو دونوں کی قدرت ناقص اور کمزور ہوئی۔اوراگران میں سے ایک دوسرے سے کوئی چیز مخفی رکھنے کی قدرت رکھتا ہو تو ہر ایک کا علم ناقص اور ضعیف ہوااور جس کے علم وقدرت کا یہ حال ہو وہ الٰہ اور خالق نہیں ہو سکتا بلکہ مخلوق ہی ہو گا۔

اس کے بعد اس دلیل کا مصدر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقد نبه الله على هَذِه الدّلَالَة بقوله تَعَالَى {لَو كَانَ فيهمَا آلِهَـة إِلَّا الله لفسدتا} وَقَالَ قل لَو كَانَ مَعَه آلِهَة كَمَا يَقُولُـونَ إِذا لَا تَبْغُـوا إِلَى ذِي الْعَرْش سَبِيلا.٢

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے (شریک نہ ہونے پر) اپنے اس ارشاد (لوکان فیہما آلھۃ الا اللہ لفسدتا) میں تنبیہ کی ہے نیز دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: کہہ دو اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا وہ کہتے ہیں تب تو انہوں نے عرش والے تک کوئی راستہ نکال لیا ہوتا۔

اس استدلال کا حاصل یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور خدا بھی موجود ہوتا تو خداؤں کا یہ اجتماع وتعدد دو حال سے خالی نہیں ہو گا، یا تو ہر ایک خدا دوسرے سے اپنی کوئی بات چھپا سکے گا یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو اور کوئی خدا یہ قدرت نہ رکھتا ہو کہ اپنی بات دوسرے سے چھپائے رکھے تو دونوں خداؤں کی قدرت ناقص و محدود ثابت ہوئی۔اور ہر ایک اس پر قادر ہو تو دونوں کا علم ناقص واضح ہوا۔اور دونوں صورتوں

---

١ التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين،الْبَاب الْخَامِس عشر فِي بَيَان اعْتِقَاد أهل السّنة وَالْجَمَاعَة وَبَيَان مفاخرهم ومحاسن أَحْوَالهم،ص: ١٥٥.

٢ التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين،الْبَاب الْخَامِس عشر فِي بَيَان اعْتِقَاد أهل السّنة وَالْجَمَاعَة وَبَيَان مفاخرهم ومحاسن أَحْوَالهم،ص: ١٥٥.

میں "تعدد خدا" کا اعتقاد غلط اور بے بنیاد ثابت ہوتا ہے کیونکہ جس کا علم یا قدرت ناقص ہو وہ کہاں معبود و خدا ہو سکتا ہے!

یاد رہے کہ یہ دونوں احتمالات چونکہ نفی واثبات پر مبنی ہے اس لئے دونوں کا اجتماع ممکن ہے نہ ہی دونوں کا ایک ساتھ ارتفاع درست ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین ہے جس کا بطلان بدیہی ہے۔

دوسرے الٰہ کے وجود پر کوئی دلیل نہیں

یہ تو حضرات متکلمین کے ذکر کردہ برہان تمانع کی تفصیل تھی جس سے اہل فہم توحید کی ضرورت واہمیت سمجھ سکتے ہیں، اس سے عام فہم بات یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو شرک خود ایک وجودی چیز ہے جس کے ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، اب ایک خدا کے وجود پر تو بہت سے عقلی و نقلی قطعی دلائل موجود ہیں جس کی وجہ سے ایک خدا کا وجود تسلیم کرنا ہر لحاظ سے لازم ہے جس سے کوئی چارہ کار نہیں ہے لیکن ایک سے زائد خدا یا اس ایک خدا کے ساتھ مزید شرکاء کے وجود پر کوئی ایسی قطعی تو کیا، ظنی دلیل بھی موجود نہیں ہے، عقل بھی شریک کو ضروری خیال نہیں کرتی اور دلیلِ نقل بھی اس کا اثبات نہیں کرتی بلکہ عقل ہو یا نقل، دونوں سے اس کی امتناع وحرمت ہی ثابت ہوتی ہے اس لئے توحید عقل و نقل ہر لحاظ سے ضروری ولازم اور شرک ہر پہلو سے ممتنع وناجائز ہے، اس لئے متکلمین نے ذکر فرمایا کہ:

شريك الباري ممتنع.

توحیدِ خداوندی بدیہی معاملہ ہے۔

یہاں تک توحید خداوندی کے لئے کچھ دلائل ذکر کئے گئے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کوئی بہت ہی پیچیدہ، دقیق و نظری دعویٰ ہے جو درج بالا دلائل کے بغیر حل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اکیلے و یکتا ہونے کا معاملہ بڑا واضح اور بدیہی ہے لیکن مختلف عوارض و عناصر کی وجہ سے یہ صاف سیدھا مسئلہ نظری مسائل جیسی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اوراس کے لئے مختلف نوعیت کے دلائل کا سہارا لینے کی نوبت آجاتی ہے، یہاں بھی انہی جیسے عناصر کی وجہ سے اختصار کے ساتھ کچھ دلائل ذکر کئے گئے ہیں، ورنہ اگر فطرت سلیمہ کسی کو نصیب ہو جائے اور نفس ہوس وہوی کے قید وبند سے آزاد ہو تو ایسے اشخاص کے لئے توحید کا مسئلہ کوئی ایسا قضیہ نہیں باقی رہتا جس کے لئے دلائل پیش کرنے کی ضرورت پڑے۔ مجدّدالف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ بالکل بجا طور پر تحریر فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ کا وجود اور ایسے ہی ان کی وحدت بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، سب بدیہی ہیں اور کسی فکر اور دلیل کے محتاج نہیں ہیں، بشرطیکہ قوّت مدرکہ ردی آفتوں اور باطنی مرضوں سے سلامت اور تندرست ہو کیونکہ ان امور میں نظر و فکر سے کام لینا قوّت مدرکہ میں کسی علت وآفت کے موجود ہونے سے ہے لیکن مرض قلبی سے نجات پانےاور باطنی آنکھوں کے آگے سے پردہ دور ہو جانے کے بعد بداہت ہی بداہت ہے۔ مثلاً صفراوی آدمی جب تک مرض صفرا میں گرفتار رہے قند اور نبات کی شیرینی اس کے نزدیک دلیل

کی محتاج ہے لیکن اس بیماری سے خلاصی پا جانے کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے اور یہ احتیاج جس کا مبدا بیماری ہونا ہے، بداہت کے مخالف نہیں ہے"۔ [1]

☆☆☆☆☆☆☆

[1] مکتوبات امام ربّانی، ص۲۱۹

فصل سوم: توحید کی تقسیم

اشاعرہ کے نزدیک توحید کی تین قسمیں ہیں اور تینوں ضروری ہیں: توحید فی الذات۔ توحید فی الصفات۔ توحید فی الافعال۔

توحید فی الذات

متکلمین اشاعرہ کے نزدیک اس میں دو چیزوں کی نفی مقصود ہے: "کم متصل" اور "کم منفصل"۔

"کم متصل" یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مرکب سمجھا جائے کہ وہ جواہر واعراض سے مرکب ہے یا ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہے یا اس کے علاوہ کسی چیز سے مرکب ہونے کا عقیدہ رکھا جائے، اللہ تعالیٰ کی ذات مرکب ہونے سے بالکل پاک ومنزہ ہے کیونکہ ترکیب احتیاج کی مقتضی ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ احتیاج کے عیب سے پاک ہے۔

"کم منفصل" یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جیسی کسی دوسری ذات کا اعتقاد رکھا جائے جس طرح مجوسیوں کا خیال ہے کہ خیر وشر کا الگ الگ خدا ہے۔

توحید فی الصفات

یہاں بھی انہی دو چیزوں (کم متصل۔ کم منفصل) کی نفی کرنا مقصود ہے، صفات کے باب میں "کم متصل" یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تعدد کا نظریہ

رکھا جائے، مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور یہ اس کی صفت ہے تو کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی دو قدرتیں ہیں ،ایک قدرت سے آسمان بنایا اور دوسری سے زمین کو پیدا کیا، اسی طرح ارادہ اور علم بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اس میں تعدد کا اعتقاد جائز نہیں، بلکہ صفت ایک ہی ہے البتہ اس صفت کے متعلقات، مثلاً صفت علم ہو تو معلومات، صفت قدرت ہو تو اس کی مقدورات ،صفت خلق ہو تو اس کی مخلوقات ، میں تعدد پایا جاتا ہے اور اسی ایک صفت کے ساتھ وہ تمام مخلوقات کا خالق، ساری چیزوں پر قادر، اس کا عالم ہے۔

"کم منفصل" یہ ہے کہ کسی غیر اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ جیسی کوئی صفت ثابت کی جائے، مثال کے طور پر جس طرح باری تعالیٰ کا علم محیط ہے اسی طرح کسی غیر اللہ کے لئے اس علم محیط کو ثابت کیا جائے۔

صفات مخصوصہ کونسی

والقصد فيها الفرق بين ما يجب توحيد الله به من التعظيم وبين ما لا يجب توحيده به، فقال:

إعلم أن توحيد الله بالتعظيم ثلاثة أقسام: واجبٌ إجماعا، وغير واجب إجماعا، ومختلف فيه هل يجب أم لا؟

القسم الأول: توحيده باستحقاق العبادة والألوهية، ثم توحيده بعموم تعلق صفاته العلية، فالعلم الأزلي تعلق بجميع المعلومات، وقدرته بجميع المقدورات، وإرادته بجميع الرادات هكذا،

فكذلك الكائنات كلها من خلق ورزق، وحياة وموت وغير ذلك، هي أثرُ قدرته لا قدرة غيره. ١

ترجمہ: کونسی تعظیم باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور کونسی خاص نہیں اس بارے میں تعظیم تین قسمیں ہیں: (١) وہ تعظیم جو بالاتفاق باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے (٢) وہ تعظیم جو باری تعالیٰ کے ساتھ بالاتفاق مختص نہیں (٣) سوم جس میں اختلاف ہے۔ پہلی قسم: اللہ تعالیٰ کا الوہیت اور عبادت کا مستحق ہونا، صفات عالیہ جیسے علم ازلی، عام قدرت، ارادہ، نیز تمام مخلوق کو رزق دینا، زندگی، موت دیناوغیرہ سب اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے نہ کہ کسی غیر کا۔

توحید فی الافعال

یہاں صرف ایک ہی چیز یعنی "کم منفصل" کی نفی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں یکتا اور تنہا ہے کوئی غیر اللہ اس جیسے فعل پر قادر نہیں، یہاں "کم متصل" کی نفی مقصود نہیں بلکہ وہ ثابت ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے خلق بھی ہے قدرت، احیاء واماتۃ بھی، اور اس کے علاوہ بھی۔ "کم متصل" کے نفی نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تعدد افعال تعدد ذات وصفات کو مستلزم نہیں ہے بلکہ ذات واحد سے بھی متعدد افعال کا صدور ممکن بلکہ واقع ہے لہٰذا اس کا اعتقاد شرک کو مستلزم نہیں۔ ٢

---

[1] ترتيب الفروق واختصارها (١/ ٤٤١)

[2] راجع "تهذيب شرح السنوسية"، ص٤١.

البتہ علامہ صاوی مالکی رحمہ اللہ نے "جوہرۃ التوحید" کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ افعال میں کم متصل نفی ہے یا نہیں؟ اس کا مدار اس بحث پر ہے کہ صفاتِ افعال حادث ہیں یا قدیم؟ امام اشعری رحمہ اللہ کے نزدیک حادث ہیں لہٰذا ان کے نزدیک کم متصل کی نفی غیر

تقسیم کی نوعیت

تقسیم کی دو قسمیں ہوتی ہیں،ایک یہ کہ کلی کو اپنے جزئیات میں تقسیم کیا جائے مثلاًانسان کو عالم وجاہل یا نیک وبد کی طرف تقسیم کیا جائے اسی طرح کلمہ کو تین قسموں (اسم، فعل، حرف) کی طرف تقسیم کیا جائے،دوسری قسم یہ ہے کہ کل کو اپنے اجزاء کی طرف تقسیم کیا جائے مثلاً چائے کو چینی، دودھ، پانی اور پتی کی طرف تقسیم کیا جائے یا کسی کتاب کے مجموعہ کو اس کے ابواب وفصول کی طرف تقسیم کیا جائے، یہاں توحید کی جو تقسیم کی جارہی ہے اس سے یہی دوسری قسم مراد ہے کہ توحید کل ہے اور تینوں اقسام اس کے اجزاء، لہٰذا کسی ایک قسم کے نہ ہونے کی صورت میں توحید متحقق نہیں ہوگا اور ایسا شخص موحد نہیں ہوگا بلکہ توحید کے تحقق ہونے کے لئے تینوں اقسام کا موجود ہونا ضروری ہے،اب اگر کوئی شخص ذات کی حد تک تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا لیکن اللہ تعالیٰ کی بعض صفات یا کسی خاص صفت کو غیر اللہ کے لئے ثابت کرتا ہے تو وہ مشرک ہوگا اسی طرح اگر ذات وصفات دونوں میں اللہ تعالیٰ کو یکتا مانتا ہے لیکن "افعال" میں اس جیسا کوئی اور مانتا ہے تو وہ بھی مشرک ہی کہلائے گا۔

ضروری ہے اور حضرات ماتریدیہ کے نزدیک چونکہ قدیم ہیں اور سب کا مرجع "صفتِ تکوین" ہے، اس لئے کم منفصل کی طرح یہاں کم متصل بھی منفی ہی ہے۔ ملاحظہ ہو: "شرح الصاوی علی جوہرۃ التوحید" ص ۱۵۷، مطبوعہ دار ابن کثیر، دمشق بیروت۔

توحید کی ایک اور تقسیم

بعض کتابوں میں توحید کی ایک اور تقسیم ذکر کی جاتی ہے وہ بھی ثلاثی ہے کہ توحید کی تین قسمیں ہیں: توحید ربوبیت۔ توحید فی الالوہیۃ۔ توحید فی الاسماء والصفات۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ ومعتقدین نے اپنے اپنے زمانہ وحلقہ میں اسی تقسیم کو زیادہ فروغ دیا، پھر شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ اور ان کی اولاد واحفاد نے توحید کی اسی تقسیم کو زیادہ شہرت دی اور ان کی کوششوں سے یہ تقسیم کافی حد تک مشہور ہوتی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بعد سے لیکر آج تک اس موضوع پر جتنی کتابیں ومقالات لکھی گئیں ان میں عموماً اس تقسیم کا ذکر ہے اس لئے اس تقسیم کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اور ان کے وفادار شاگرد رشید علامہ ابن القیم رحمہا اللہ کی کتابوں میں بعض اوقات توحید کی یہی تین قسمیں ذکر کی جاتی ہیں، بعض اوقات صرف پہلی دو قسمیں ذکر کی جاتی ہیں بعض اوقات ان اقسام کے علاوہ دو قسمیں ذکر کی جاتی ہیں: توحید فی المعرفۃ والاثبات (اس میں توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات داخل ہو جاتے ہیں) اور توحید فی الطلب والقصد (جو توحید الوہیت سے عبارت ہے)

توحید فی الربوبیۃ کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق ،مالک ،رازق اور مدبر ہے، آسمان وزمین اور دیگر مخلوقات کے خلق وایجاد اور اس میں تدبیر وتصرف کی صفت اسی کے لئے ثابت ہے، "توحید فی الالوہیۃ" کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو عبادت کا مستحق سمجھا جائے اور عملاً عبادت اسی کی کیجائے، اس کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں ہے بلکہ غیر اللہ کی کسی قسم کی عبادت

کرنا شرک ہے، توحید فی الاسماء والصفات کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو اسماء وصفات وارد ہوئے ہیں ان سب کو کسی تعطیل، تحریف اور تشبیہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت مانا جائے اور جو کچھ عیوب ونقائص اس کی ذات ستودہ صفات سے نفی کئے گئے ہیں ان سب کی نفی کی جائے۔ ١

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی مفید کتاب "منہاج السنۃ" میں علامہ سہروردی، امام غزالی، رازی اور آمدی کو یہ الزام دیا ہے کہ وہ اس باب میں ابن سینا کے راستے پر چل پڑے ہیں، یہ بھی بتایا ہے کہ جن متاخرین متکلمین نے علم کلام میں فلسفہ کی آمیزش کردی ان کا شک واضطراب بڑھتا گیا، حق و باطل کی پہچاننے میں ان سے کوتاہی ہوئی، قرآن کریم نے اثبات توحید کے لئے جو عقلی دلائل قائم فرمائے تھے ان متکلمین نے ان دلائل سے اعراض کرکے نت نئے دلائل ایجاد کئے جس کی وجہ سے ان کو بعض مسائل میں حق کا دامن چھوڑنا پڑا اور بعض بدعات میں مبتلا ہوئے، توحید کے باب میں بھی صرف توحید ربوبیت پر ہی اکتفاء کیا اور توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات کو بالکل توحید کے مفہوم سے نکالا، حالانکہ توحید ربوبیت کے تو مشرکین بھی قائل تھے جیسا کہ متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین بھی زمین وآسمان بلکہ جمیع کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ کو سمجھتے تھے اب

---

[1] علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "منہاج السنۃ" و "مجموعۃ الفتاویٰ" میں، جبکہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی مختلف کتابوں میں ان تینوں اقسام کی تفصیلات بیان کی ہیں لیکن حسب عادت بحث منتشر ومفصل ہے، ان تفصیلات کے حاصل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی صاحب کی "الرسالۃ المفیدۃ"، باب انواع التوحید، ص39، علامہ سلیمان نجدی کی "تیسیر العزیز الحمید فی شرح کتاب التوحید"۔ ص33۔ علامہ عبد الرحمٰن سعدی رحمہ اللہ کی کتاب "القول السدید فی مقاصد التوحید" ص11۔

اگر سلف ان سے پوچھے کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے ؟تو وہ جواب میں اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں،اس کی وجہ سے علماء دین نے ان کی مذمت کی۔ [1]

دوسری تقسیم کا جائزہ

توحید کی یہ تقسیم پہلے پہل کس نے کی ؟اور اس میں کیا محاسن ومفاسد ہیں؟ان دونوں تقسیمات کے درمیان کیا فرق ہے ؟ ان نکات کے متعلق جانبین سے متعدد مباحث ومقالات لکھے گئےاور متعدد نکات میں مناقشات کا سلسلہ بھی جاری رہاجن میں سے بعض مناقشات ایسی بھی ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ وتعبیرات کا اختلاف ہے، بہر حال ان تفصیلات میں جانے کاموقع نہیں، یہاں اس تقسیم سے متعلق مختصراً کچھ نکات بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔کسی بھی چیز کی درست تقسیم کے لئے ضروری ہے کہ تقسیم جامع مانع ہو اور اقسام کے درمیان باہم تباین ہو،اس ضابطہ کے مطابق اشاعرہ کی تقسیم بالکل درست ہے کیونکہ توحید وشرک کا تعلق انہی تین چیزوں(ذات۔صفات۔افعال)کے ساتھ ہے اور تینوں میں تباین بھی ہے، جبکہ دوسری تقسیم اس ضابطہ پر پوری نہیں اترتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخصوصہ میں توحید ضروری ہے جبکہ اس تقسیم میں تمام صفات شامل نہیں کیونکہ ربوبیت میں عموماًاس مکتبہ فکر کے اہل علم اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کاذکر کرتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ ان بڑے صفات

---

[1] منهاج السنة النبوية،ج٣ص٢٨٧.

خداوندی کا ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین بھی ان کے قائل تھے اسی طرح بالقصد توحید فی الذات کو بھی یہ تقسیم شامل نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ "ربوبیت"اور"الوہیت"کے درمیان کوئی تباین نہیں ہے بلکہ پہلی صفت دوسری کے لئے مستلزم ہےاور یہ دوسری صفت اسی ربوبیت ہی متفرع ہے کیونکہ عبادت اس ذات کی کی جاتی ہے جو ربوبیت کی صفات سے متصف ہو، قرآن کریم کی متعدد آیات سے بھی یہی بات واضح ہو جاتی ہے مثلاً سورۃ مریم میں ہے:

{رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا} [مريم: ٦٥]

ترجمہ: وہ اللہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو چیز ان کے درمیان ہے سو اسی کی عبادت کر واسی کی عبادت پر قائم رہ کیا تیرے علم میں اس جیسا کوئی اور ہے۔

یہاں ربوبیت پر عبادت کو متفرع کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا رب ہے تو عبادت بھی اسی کی کر لینی چاہیئے۔

سورۃ اعراف میں ہے:

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ (١٩١) وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ (١٩٢) وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ (١٩٣) إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (١٩٤)

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ [الأعراف: ١٩١ - ١٩٥]

ترجمہ: کیاایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی نہیں بنا سکتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں (۱۹۱) اور نہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں(۱۹۲) اور اگر تم انہیں راستہ کی طرف بلاؤ تو تمہاری تابعداری نہ کریں برابر ہے کہ تم انہیں پکارو یا چپکے رہو(۱۹۳) بیشک جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں پھر انہیں پکار کر دیکھو پھر چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کریں اگر تم سچے ہو(۱۹۴) کیاان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں یاان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں یاان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں یاان کے کان ہیں جن سے وہ سنیں کہ تو اپنے شریکوں کو پکارو پھر میری برائی کی تدبیر کرو پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔

ان آیات مبارکہ میں مشرکین کو الزام دیا جارہا ہے اور ان کو فکر وتدبر کی دعوت دی جارہی ہے کہ جو چیز آپ کی مددگار، حاجت روا اور خالق نہیں ہے آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیونکر شریک کر رہے ہو؟ معلوم ہوا کہ عبادت اسی ذات کی ہونی چاہئے جو اس طرح عظیم صفات کا مالک ہو۔

سورۃ فاطر میں ہے:

{قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِّ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ} [فاطر: ٤٠]

ترجمہ:(کہہ دو کیا تم نے اپنے ان معبودوں کو بھی دیکھا جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے یا ان کا کچھ حصہ آسمانوں میں بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح عبادت اسی ذات کی ہو سکتی ہے جو خود اللہ تعالیٰ کی طرح زمین یا آسمان کا خالق ہو یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں کے پیدا کرنے میں شریک رہا ہو اور چونکہ ایسی کوئی ذات بالکل موجود نہیں اس لئے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔

یہ اور اس قسم کی متعدد آیات سے واضح ہوتا ہے کہ معبودیت، ربوبیت کی فرع اور اسی کا ثمرہ ہے جو رب ہے اسی کو معبود بنانا ضروری ہے اور جو رب نہیں اس کو معبود بنانا خلافِ عقل اور حماقت ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی متعدد جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ ایک جگہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

فقوله {لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت} توحيد الربوبية الذي يقتضي: أنه سبحانه: هو الذي يسأل ويدعى ويتوكل عليه. وهو سبب لتوحيد الإلهية ودليل عليه.[1]

ترجمہ: آپ ﷺ کا یہ ارشاد (کہ تیری عطا کا کوئی روکنے والا نہیں اور تیرے روکے کا کوئی دینے والا نہیں) یہ توحید ربوبیت کا بیان ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ کہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مانگا جائے، اسی کو پکارا جائے، اسی پر توکل کیا جائے۔ اور یہی توحیدِ الوہیت کا سبب اور اس پر دلیل ہے۔

---

[1] مجموع الفتاوى، كتاب التفسير، ج١٤ ص٣٧٧.

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے چنانچہ وہ اپنی ایک مفید کتاب "اغاثۃاللہفان" میں تحریر فرماتے ہیں:

والإلهية التى دعت الرسل أممهم إلى توحيد الرب بها هى العبادة والتأليه. ومن لوازمها توحيد الربوبية الذى أقر به المشركون، فاحتج الله عليهم به، فإنه يلزم من الإقرار به الإقرار بتوحيد الإلهية.[1]

ترجمہ: وہ الہٰیت جس کے ذریعے انبیاء کرامؑ نے اپنے قوموں کو توحید کی طرف بلایا، وہ عبادت اور الٰہ کا اقرار کرنا ہے۔ اور اس کے لوازمات میں سے توحید ربوبیت بھی ہے جس کے مشرکین بھی مقر تھے چنانچہ اس کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان پر حجت تمام کر دی، کیونکہ توحیدِ ربوبیت سے توحید الوہیت ہی کا اقرار بھی لازم ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر توحید الوہیت توحید ربوبیت ہی پر متفرع ہے تو مشرکین مکہ جب توحید ربوبیت کے قائل تھے تو ضروری ہے کہ وہ توحید الوہیت کے بھی قائل ہوں اور اس کے قائل ہونے کے بعد ان کو مشرکین کہنا کسی طرح درست نہیں ہے، یہی بات علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی وغیرہ حضرات نے ذکر فرمائی ہیں، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ "توحید الوہیت" کے متعلق ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان، ج٢ص١٣٥.

وهذا التوحيد: هو الفارق بين الموحدين والمشركين. وعليه يقع الجزاء والثواب في الأولى والآخرة. فمن لم يأت به كان من المشركين الخالدين. فإن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء. أما توحيد الربوبية: فقد أقر به المشركون وكانوا يعبدون مع الله غيره ويحبونهم كما يحبونه. فكان ذلك التوحيد - الذي هو توحيد الربوبية - حجة عليهم. فإذا كان الله هو رب كل شيء ومليكه ولا خالق ولا رازق إلا هو. فلماذا يعبدون غيره معه.[1]

ترجمہ: اور یہی توحید موحدین اور مشرکین کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔اسی پر دنیا وآخرت میں سزاو جزاء کا ترتّب ہوتا ہے، پس جو اسے قبول نہ کرے وہ ابدی جہنّمی ہونگے۔ کیونکہ اللہ تعالی اپنے ساتھ شرک تو معاف نہیں فرماتے البتہ اس کے علاوہ دیگر گناہ اگر چاہے تو معاف فرماتے ہیں۔البتہ توحیدِ ربوبیت کا اقرار مشرکین بھی کرتے تھے مگر اللہ کے ساتھ غیر کو بھی معبود بناتے تھے اور ان کے ساتھ ایسا لگاؤ رکھتے تھے جس طرح کہ اللہ تعالی کے ساتھ ہونا چاہیے، چنانچہ یہی توحید (یعنی توحیدِ ربوبیت) ان پر حجّت رہی۔ پس جب اللہ تعالی کی ذات ہی ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے اور سوائے اس کے کوئی خالق اور داتا نہیں، پھر کیوں اس کے ساتھ غیر کو معبود بنا رہے ہیں؟!

اس مناقضہ کا جواب یہ ہے کہ مشرکین اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے معترف تھے لیکن وہ کسی درجہ میں غیر اللہ کی ربوبیت کے بھی قائل تھے اور اسی اعتقاد ربوبیت کی بناء پر ان الوہیت کے بھی مدعی تھے اس لئے یہ مناقضہ تام نہیں

[1] مجموع الفتاوى، ج١٤ ص٣٧٩.

ہے،اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں اگرچہ کئی جگہوں پر مشرکین کے حوالہ سے یہ بات ذکر فرمائی گئی ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ زمین وآسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور لیل ونہار، حیات وموت کا مالک ومتصرف وہی ذات ہے اور مشرکین واقعۃً اس بات کو حق سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ غیر اللہ کے لئے کچھ ایسی صفات واختیارات کا اعتقاد رکھتے تھے جس سے ربوبیت کی شان پیدا ہو جاتی تھی گو اللہ تعالیٰ کے اختیارات کی بنسبت ان کے اختیارات محدود سمجھے جاتے تھے چنانچہ وہ جن بُتوں کی عبادت کرتے ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا مملوک ہی تصور کرتے تھے جیسا کہ ان کے تلبیہ سے ظاہر ہوتا ہے لیکن بہر حال اسی محدود شان ربوبیت کی وجہ سے وہ اپنے بُتوں کو "اِلٰہ" قرار دیتے تھے۔

اس تقسیم کا ایک سقم یہ بھی ہے جو اس کے اکثر شارحین کے کلام سے بعض اوقات مترشح ہوتا ہے کہ وہ توحید کو کلی اور ربوبیت ،الوہیت اور اسماء وصفات کو اس کے جزئیات وافراد قرار دیتے ہیں حالانکہ جیسے پہلے ذکر کیا گیا، یہ بالکل غلط ہے ،البتہ اس میں یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ اس جزئی توحید کو لغوی معنیٰ میں قرار دیا جائے اور تینوں کے مجموعہ کو شرعی واصطلاحی معنیٰ میں رکھا جائے۔

جہاں تک اس تقسیم کی تیسری قسم یعنی توحید الاسماء والصفات کا تعلق ہے تو اس کو الگ قسم قرار دینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے کیونکہ ربوبیت سے مراد اگر اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخصوصہ ہیں تو توحید ربوبیت میں توحید اسماء وصفات بھی داخل ہو جاتا ہے، نیز بعض اوقات اس قسم کی تشریح وتفصیل میں غلو سے کام لیا جاتا ہے اور تفویض وتاویل کو اس کے متصادم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے چنانچہ بعض

معاصرین اس کی تشریح میں ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق نصوص میں جو صفات واسماء وارد ہیں ان کو اپنے ظاہر پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کئے جائیں اور اس میں نہ تو تشبیہ وتعطیل سے کام لیا جائے نہ ہی ظاہری معنیٰ کو چھوڑ کر تفویض یا تاویل کی جائے، حالانکہ اشاعرۃ وماتریدیہ یعنی جمہور اہل سنت والجماعت اسی (تفویض یا تاویل) کے قائل ہیں اور وہ صفات متشابہات سے متعلق نصوص سے ظاہری لغوی معنیٰ مراد نہیں لیتے، یہ تو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ حضرات کا مرجوح ومخدوش موقف ہے، نیز اس کی تشریح میں بعض اوقات ایسی باتیں بھی داخل کی جاتی ہیں جن کا توحید وشرک سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا اور یوں یہ قسم اپنے مقسم کے حدود سے نکل جاتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ توحید کی پہلی تقسیم ہی زیادہ دقت واتقان پر مبنی ہے جو اشاعرۃ کی کتابوں میں مذکور ہے اس کی بنسبت یہ دوسری تقسیم ثلاثی جو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ حضرات کی کتابوں میں درج ہے، کچھ زیادہ مفید ومناسب نہیں ہے، "تقسیم" کے ضوابط پر پوری نہیں اترتی ، نیز بعض اوقات اس کی تشریح وتفصیل میں بھی غلو وتجاوز سے کام لیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب دوم: شرک، مفہوم، اقسام

فصل اول: شرک کا مفہوم، رکن، شرائط، تاریخ

شرک کی لغوی تحقیق

"شرک" کامادہ کلام عرب میں بنیادی طور پر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے: مقارنت یعنی انفرادیت کے خلاف ،اوراستقامت وپھیلاؤ کے لئے، "شرکت" کا مطلب یہ ہوتاہے کہ کوئی چیز دوافراد کے درمیان ہو کسی ایک فرد کی انفرادی ملکیت نہ ہو[١]۔(یہاں یہ معنیٰ مقصود ہے)۔

اصطلاحی تحقیق

شرک چونکہ توحید کی ضد ہےاس لئے توحید کی تعریف ومفہوم سے شرک کامفہوم بھی واضح ہوجاتا ہےالبتہ یہاں مزید وضاحت کے لئے کچھ تعریفات ذکر کی جاتی ہیں،"شرح المقاصد"میں توحید کی یہ تعریف کی گئی ہے:

"حقيقة التوحيد اعتقاد عدم الشريك في الألوهية وخواصها".[٢]

ترجمہ:توحید دراصل اللہ تعالی کی الوہیت اور اس کے خواص ولوازم میں شریک نہ ہونے کے اعتقاد کو کہتے ہیں۔

لہذاشرک کی تعریف یہ ہوگی:

---

[١] مقائيس اللغة، ج٣ص٢٦٥.

[٢] شرح المقاصد في علم الكلام، ج٢ص٦٤.

اعتقاد الشريك في الألوهية وخواصها.

یعنی اللہ تعالی کی الوہیت اوراس کے خواص میں شریک کااعتقاد رکھنا۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے معتزلہ کے ساتھ ایک اختلافی مسئلہ کی تفصیل کے ضمن میں شرک کی تعریف یہ کی کہ:

الإشراك هو إثبات الشريك في الألوهية، بمعنى وجوب الوجـود، كما للمجوس، أو بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الأصنام.١

ترجمہ: شرک الوہیت میں شریک ثابت کرنے یعنی مجوس کی طرح کسی اورذات کوواجب الوجود ٹھہرانا یابت پرستوں کی طرح دوسرے کوعبادت کا مستحق ٹھہرانے کو کہتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حقيقة الشرك: هو التشبه بالخالق وتشبيه المخلوق به.٢

ترجمہ: شرک کسی کو خالق کے مشابہ بنانے یامخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینا کو کہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے "بدور بازغہ" میں قریب قریب شرک کی یہی حقیقت ذکر فرمائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"یہی شرک کی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو مادیات کے مشابہ سمجھا جائے۔" ١

---

[١] شرح العقائد النسفية، ص٤٦.

[٢] الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي،ص: ١٣٦.

قاضی محمد اعلیٰ تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

الشّرك:بالكسر وهـي مصـدر معنـاه الإشراك والاعتقـاد بشريـك للرّبّ الذي لا شريك له.۲

ترجمہ: شرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہونے کا اعتقاد رکھنا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الشرك هو: إثبات الصفات الخاصة بالله – تعالى – لغيره.۳

ترجمہ: شرک ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص صفات کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنے کو کہتے ہیں۔

توحید و شرک کی تمام تعریفات پر غور کرنے کے بعد شرک کے مفہوم کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات میں، یا ان صفات وافعال میں کسی کو سہیم وخلیط سمجھنا جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہوں، شرک کہلاتا ہے۔

شرک کا رکن و محل

متکلمین حضرات نے شرک کی جو تعریفات میں اس میں اعتقاد کا لفظ صراحۃً یا دلالۃً موجود ہے اس لئے شرک کا محل قلب ہے اور اس کا رکن یہی ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ذات وصفات یا افعال میں کسی کے شریک

---

۱ مجموعہ رسائل شاہ ولی اللہ، ج۸ ص ۲٤٤

۲ كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ج۱ ص۱۰۲۰.

3 الفوز الكبير في أصول التفسير، حقيقة الشرك ومظاهره وأنواعه، ص: ۳۵.

ہونے کا اعتقاد رکھے، یہ اعتقاد شرک ہے اور اس کا معتقد مشرک کہلاتا ہے چاہے وہ عملی طور پر زبان سے یا اپنے عمل سے اس کا اقرار واظہار کرے یا نہ، بہر صورت وہ عند اللہ مشرک قرار پائے گا۔

شرائط شرک

شرک کے تحقق کے لئے درجِ ذیل تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اس کے بغیر شرک متحقق نہیں ہوتا۔

پہلی شرط: محل شرک کا اعتقاد

شرک کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ذات وصفات وافعال کے ساتھ ہے اس لئے اس کے تحقق کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان چیزوں کو ثابت مانے، لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کا قائل نہ ہو تو وہ گو دہری وکافر ہے لیکن اصطلاحی معنیٰ میں مشرک نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ کا معتقد نہیں ہو تو اس سے شرک فی الصفات صادر نہیں ہوگا یہی حال "افعال" کا بھی ہے۔

دوسری شرط:

دوسری شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل نہ ہو چاہے ذات میں وحدانیت کا معترف نہ ہو یا صفات یا افعال میں۔ ان تین میں سے کسی بھی نوع وحدانیت کا قائل نہ ہو بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ہستی کو بھی شریک ٹھہراتا ہو، اس شرط کے بڑھانے کی وجہ یہ ہے کہ خود شرک کا مفہوم یہی ہے اگر یہ موجود نہ ہو تو شرک متحقق نہیں ہو سکتا۔

تیسری شرط: اظہار

یعنیٰ جو شخص کسی نوع شرک میں مبتلا ہو وہ اس کا اظہار واقرار بھی کرے، یہ شرط احکام شرک جاری کرنے کے لئے ضروری ہے یعنی کسی پر شرک کے احکام تبھی جاری ہو سکتے ہیں جب وہ خود اس کا اظہار بھی کرے کیونکہ کسی کے دل میں جھانک کر اس کا عقیدہ معلوم کرکے اس کے موحد یا مشرک ہونے کا فیصلہ کرنا نہ ہمارے احاطہ امکان میں ہے نہ ہی ہم اس کے مکلف ہیں، اس لئے جب تک کوئی شخص خود اظہار نہیں کرتا تب تک اس کو مشرک قرار دینا اور دنیا میں اس پر شرک کے احکام جاری کرنا جائز نہیں۔

البتہ یاد رہے کہ اظہار صرف زبانی اقرار ہی سے نہیں ہوتا بلکہ جس طرح زبانی قول وقرار سے اندرونی نظریات وافکار کا پتہ لگایا جاتا ہے، یوں ہی بعض اوقات کچھ عملی اقدامات سے بھی انسان کے مافی الضمیر کا سراغ لگایا جاسکتا ہے جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں ذکر کی جائی گی ان شاء اللہ۔

شرک کی تاریخ

تاریخ کی کتابیں دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے دور میں شرک نہیں تھا ان کے بعد ان کی اولاد میں شرک کا سلسلہ شروع ہوا چنانچہ روئے زمین پر جس قوم نے پہلے پہل شرک کا ارتکاب کیا، وہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا پانچ بتوں کی عبادت کی جن کے نام قرآن کریم میں بھی مذکور ہیں: ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر۔ بخاری کے کتاب التفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ

یہ اس قوم کے پانچ نیک افراد کے نام تھے جب ان کا انتقال ہوا تو شیطان نے ان کو یہ ترکیب سکھائی کہ جن مجالس میں یہ نیک لوگ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے نام پر بت نصب کریں (تاکہ ان کو دیکھ کر عبرت و نصیحت حاصل کریں اور ان کی طرح نیکی و پارسائی پر جمے رہیں) چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا لیکن انہوں نے ان بتوں کی عبادت نہیں کی (صرف یادگار یا نصیحت کے طور پر مجسمے بنائے تھے) اس کے بعد جب ان نصب کرنے والے افراد کا بھی انتقال ہوا اور لوگوں کی نظر یہ حقیقت او جھل ہو گئی کہ ان کے بڑوں نے کس لئے ان بتوں کو نصب کیا تھا تو اس کے بعد پھر خود ان بُتوں ہی کی عبادت شروع کی اور یوں ہی ان بُتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود ٹھہرایا گیا، پھر عرب کے مختلف قبائل میں قومِ نوح علیہ السلام کی انہی بُتوں کی پوجا ہونے لگی۔[١]

ابو الشیخ اصفہانی نے اپنی کتاب "العظمۃ" میں اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ یہ پانچوں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے اور عبادت گزار تھے، ان میں سے ایک بھائی کا انتقال ہوا تو باقی اس پر بہت غمگیں ہوئے اس دوران شیطان ان کے پاس آیا اور ان کی افسردگی کو غنیمت جانتے ہوئے یہ تجویز دی کہ بطور یادگار ان کی تصویر روئے قبلہ نصب کریں، انہوں نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا تو شیطان نے مزید یہ مشورہ دیا کہ روئے قبلہ نہ سہی، پچھلی جانب ان کے مجسمے نصب کریں،

---

[١] صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب: ودا ولا سواعا، ولا يغوث ويعوق، رقم الحديث: ٤٩٢٠.

اس تجویز کو منظور کیا گیا اور فوت شدہ بھائی کا مجسمہ نصب کر دیا گیا، کچھ عرصہ بعد جب ان چار بھائیوں کا بھی انتقال ہوا تو ان کے مجسمے بھی نصب کئے گئے (اور اس میں بھی عبادت کے بجائے یادگار کا پہلو غالب تھا) لیکن کچھ عرصہ بعد جب اس حقیقت سے لوگ دور ہو گئے تو رفتہ رفتہ ان کی عبادت کرنے لگے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے شرک کی مذمت اور اس سے بے زاری کی طرف لوگوں کو بلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور عقیدہ توحید پر لانے کے لئے تقریباً ہزار سال محنت فرمائی۔[1]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے سورۃ نوح کی تفسیر میں "ود" کے متعلق یہ نقل فرمایا ہے:

روي أن ودا أول معبود من دون الله سبحانه وتعالى.[2]

ترجمہ: منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا (ود) کو سب سے پہلے معبود بنایا گیا۔

سرزمین عرب میں بت پرستی کی تاریخ

حجاز میں بُت پرستی کا رواج نہیں تھا بلکہ سب لوگ جاہلیت کے باوجود بھی دین ابراہیمی کے نام لیوا تھے، عمرو بن لحہ نے بنو جرہم کے ساتھ لڑ جھگڑ کر کعبہ مقدسہ کی خدمت ونگرانی کا منصب اپنے سر لیا اس کے بعد وہ کسی کام سے شام چلا گیا، علامہ کلبی لکھتے ہیں کہ عمر بن لحہ سخت بیمار ہوا تو کسی نے شام میں کوئی چشمہ دکھایا جس کو آب شفاء سمجھا جاتا تھا، عمرو نے جاکر وہاں غسل کیا تو واقعۃً شفاء یاب ہو گیا اور

---

[1] العظمة لأبي الشيخ الأصبهاني، ج٥ص١٥٩٠.

[2] روح المعاني، سورة نوح، ج١٥ص٨٦.

بیماری ختم ہوئی، عمرو نے وہاں کے باشندگان کو بُت پرست دیکھا تو ان سے بُتوں کے متعلق استفسار کیا،وہاں کے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ان کے ذریعے بارش مانگتے ہیں دشمن پر فتح طلب کرتے ہیں، عمرو کو یہ بات بڑی اچھی لگی اور ان سے کچھ بُت بھی مانگے اور ان کو لیکر مکہ مکرمہ پہنچا اور خانہ کعبہ کے سامنے نصب کیا جس کے بعد ان کی عبادت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ [1]

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وعمرو بن حليّ هو أوّل من غيّر دين إسماعيل وعبد الأوثان وأمر العرب بعبادته.[2]

ترجمہ: عمر بن لحہ وہ پہلا شخص ہے جس نے بتوں کی پرستش شروع کر کے حضرت اسماعیلؑ کے دین ومذہب کو بدل دیا اور عرب کو ان کی عبادت کا حکم دیا۔

علامہ شہرستانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وأول من وضع فيه الأصنام عمرو بن لحي بن غالوثة بن عمرو بن عامر لما سار قومه إلى مكة، واستولى على أمر البيت.[3]

ترجمہ: عمرو بن لحی پہلا شخص تھا جس نے اس وقت اس (مسجدِ حرام) میں بت رکھے جب اس کی قوم نے مکہ کی طرف ہجرت کر کے بیت اللہ کی تولیت سنبھالی۔

---

[1] كتاب الاصنام،ص۱۰۸.

[2] تاريخ ابن خلدون، ج۲ص۳۷٦.

[3] الملل والنحل، ج۳ص۷۷.

عمرو بن لحـــی کے اخلاق وعادات وغیرہ کے متعلق مؤرخین نے بڑے بسط وتفصیل سے کام لیاہیں، ان باتوں سے قطع نظر ان کا یہ اقدام اگرچہ ایک لمحہ کی غلطی تھی لیکن صدیوں کی سزا کا مصداق بن گئی اور اس ایک اقدام کی وجہ سے سرزمین حجاز میں سینکڑوں سال بت پرستی کا رواج رہا جس کی موجوں میں پتہ نہیں کتنے افراد غرق ہوئے، شاید یہی وہ اقدام ہے جس کی وجہ سے عمرو جہنم کا مستحق ٹھہرا۔

امام مسلم اپنی "صحیح" میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رأيت عمرو بن لحي بن قمعة بن خندف أبا بني كعب هؤلاء، يجر قصبه في النار.[1]

ترجمہ: میں نے بنی کعب کے سردار عمرو بن لحـــی کو جہنم میں آنتیں کھینچتے ہوئے دیکھا۔

شرک کا حکم

شرک توحید کی ضد ہے لہٰذا جو حکم توحید کا ذکر کیا جاچکا ہے اس کا متضاد حکم شرک کا ہے چنانچہ توحید کا جو درجہ فرض عین ہے اس میں خلل کی وجہ سے جو شرک متحقق ہوتا ہے وہ حرام اور کفر کی سنگین قسم ہے جس کے بعد انسان دائرہ اسلام سے نکل مشرک قرار پاتا ہے اور خدانخواستہ اسی حالت میں انتقال ہوا تو جہنم کا مستحق قرار پائے گا، اس کے علاوہ توحید کے جو کچھ مراتب اور ان کے احکام ہیں، شرک میں اس کے متضاد مراتب واحکام ہیں۔

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء.

فصل دوم: شرک کی تقسیم

مختلف اعتبارات کے لحاظ سے شرک کی کئی قسمیں بن جاتی ہیں، پہلے ان تقسیمات کا ذکر ہوگا، اس کے بعد ان سے متعلق اصولی باتوں کا ذکر ہوگا۔

محل کے اعتبار سے تقسیم اور اقسام

شرک، توحید کی ضد ہے جس پر دین اسلام بلکہ کسی بھی دین سماوی کی بنیاد ہوتی ہے لہٰذا توحید یا اس کے بعض ضروری مقتضیات کو چھوڑنا شرک ہے، تو جس طرح توحید کی تین بنیادی قسمیں تھیں اسی طرح ہی شرک کی بھی تین بنیادی قسمیں ہیں:

شرک فی الذات: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ہستی کو الٰہ و معبود سمجھنا، جس طرح مجوسی لوگ، یزدان اور اہرمن دو خداؤں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور نصرانی لوگ اللہ تعالیٰ، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تینوں کے مجموعہ کو خدا کہتے ہیں۔

شرک فی الصفات: اللہ تعالیٰ کی صفات بہت زیادہ ہیں اور مختلف اعتبارات سے ان کی کئی قسمیں بنتی ہیں، یہاں صفات سے مراد وہ صفات خداوندی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہوں ،یعنی قرآن وحدیث میں وہ صفات غیر اللہ

کے لئے استعمال نہ ہوئی ہوں، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی مخصوص صفت کو غیر اللہ کے لئے ثابت مانے تو یہ شرک فی الصفات کہلاتا ہے، صفات کے لحاظ سے شرک کی مختلف قسمیں ہو سکتی ہیں اور اہل علم نے بھی اس کی کئی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

شرک فی الافعال: جو امور مخلوق کے دائرہ قدرت و اختیار سے باہر ہیں، ان میں کسی غیر اللہ کو شریک کرنا، مثلاً کائنات کو پیدا کرنا، زندگی و موت کا فیصلہ کرنا، مافوق الاسباب نفع و ضرر پہنچانا، وغیرہ۔

شرک اکبر و اصغر

حکم اور اثرات کے لحاظ سے شرک کی دو قسمیں ہیں: شرک اکبر و اصغر۔

شرک اکبر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال میں سے کسی کو شریک کیا جائے جس کی تفصیل ذکر ہو چکی، اس کا حکم یہ ہے کہ ایسا شرک ایک لمحہ کے لئے بھی ہو تو اس سے انسان دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض معاصی ایسی ہیں کہ ہیں تو وہ گناہ و منکر، قرآن وحدیث میں ان کے لئے لفظِ شرک استعمال فرمایا گیا ہے لیکن ان کے ارتکاب کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا، مثال کے طور پر بعض روایات میں ریاء کو شرک فرمایا گیا، بعض روایات میں آیا ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے نام کی قسم کھائے تو وہ مشرک ہوا، غیر اللہ کو دکھانے کے لئے روزہ و نماز پڑھنے کو شرک قرار دیا گیا، وغیرہ۔ ان جیسے امور کو شرک اصغر کہا جاتا ہے۔

شرک کی نوعیت ایسی ہی ہے جیسے کفر کی ہے کہ بعض امور پر قرآن وسنت میں لفظ کفر کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے نہیں نکلتا، اس کو محدثین ومتکلمین نے "کفر دون کفر" قرار دیتے ہیں، یہی صورت حال شرک کی بھی ہے اور اسی قسم کے شرک کے لئے "شرک دون شرک" کی بجائے شرک اصغر زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

شرک کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ ایسے امور گناہ ومعاصی شمار ہوتے ہیں لیکن محض ان کے ارتکاب سے کوئی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور اس کو علی الاطلاق مشرک قرار دینا درست نہیں ہے، البتہ ایسے امور گو خود شرک نہیں، تاہم عموماً شرک کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور اس میں اگر کچھ غلو سے کام لیا جائے تو انجام کار وہی شرک اکبر ہے، اس لئے عام معاصی ومنکرات کی بنسبت ان گناہوں سے اجتناب زیادہ ضروری ہے، اور لوگوں کے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر کوئی ان اعمال کو شرک کہے تو مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ یہ خود نص سے ثابت ہے۔

علامہ کفوی کی تقسیم

علامہ کفوی رحمہ اللہ نے اس کی مندرجہ ذیل چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ شرک استقلال: کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی مستقل شریک ٹھہرایا جائے جس طرح مجوس دو مستقل خداؤں کے قائل تھے۔

۲۔ شرکت تبعیض: کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو ملاکر مجموعہ کو خدا تصور کیا جائے، نصرانیوں کا یہی شرک ہے۔

۳۔شرک تقریب:اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے غیر اللہ کی عبادت کی جائے،دورِ جاہلیت میں سے بہت سے لوگوں کا شرک یہی تھا۔

۴۔شرک تقلید:کسی کی اقتداء میں غیر اللہ کی عبادت کی جائے،دور جاہلیت کے متاخرین کا یہی شرک تھا۔

۵۔شرک فی الاسباب:چنانچہ فلاسفہ اور طبیعین وغیرہ کے شرک کی صورت یہی تھی۔

۶۔شرک فی الاغراض:غیر اللہ کے لئے کوئی کام کرانا۔[1]

قاضی تھانوی صاحب کی تقسیم

قاضی محمد اعلیٰ تھانوی صاحب نے مختلف اہلِ علم کے حوالہ سے شرک کی چار اقسام نقل فرمائی ہیں:شرک فی الألوہیۃ۔شرک فی وجوب الوجود۔شرک فی التدبیر۔شرک فی العبادۃ۔

قال العلماء: الشّرك على أربعةأنحاء. الشّرك في الألوهية، والشّرك في وجوب الوجود، والشرك في التدبير، والشّرك في العبادة[2]

ترجمہ:اہلِ علم فرماتے ہیں کہ شرک کی چار قسمیں ہیں(۱) شرک فی الالوہیت (۲)شرک فی وجوب الوجود(۳)شرک فی التدبیر(۴)شرک فی العبادۃ۔

---

[1] الكليات،فصل في الشّين، ص۵۳۳.

[2] كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم،ج۱ص۱۰۲۰.

حضرت شاہ اسماعیل شہید صاحب کی تقسیم

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے "تقویۃ الایمان" میں اس کی چار قسمیں ذکر فرمائی ہیں: "شرک فی العلم۔شرک فی التصرف ۔شرک فی العبادات۔شرک فی العادات"[1]

مولانا احمد بگوی کی تقسیم

مولانا احمد الدین بگوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "دلیل المشرکین" میں شرک کی درجِ ذیل بیس (۲۰) اقسام بیان فرمائی ہے:

"۱۔شرک فی الذات،۲۔شرک فی العلم،۳: شرک فی المشیۃ،۴: شرک فی التصرف،۵: شرک فی القدرۃ،۶: شرک فی العبادۃ،۷: شرک فی العادۃ،

۸: شرک فی النذر،۹: شرک فی التسمیۃ،۱۰: شرک فی الحلف، ۱۱: شرک فی الذبح،۱۲: شرک فی التاثیر،۱۳: شرک فی االاستعانۃ،۱۴: شرک فی النداء

۱۵: شرک فی الذبح والبسملۃ،۱۶: شرک فی الطیرۃ،۱۷: شرک فی الاخبار،۱۸: شرک فی التصور،۱۹: شرک فی التمائم،۲۰: شرک اصغر۔"[2]

اسی طرح دیگر اہل علم نے بھی مختلف اقسام واصناف لکھی ہیں جس کی تفصیل متعلقہ کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

---

[1] تقویۃ الایمان،ص۲۸تا ۶۲

[2] ملاحظہ فرمائیں ان کی کتاب "دلیل المشرکین"

ان تمام انواع پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ عقلی و منطقی قسم کی تقسیمات نہیں ہیں جو نفی و اثبات پر مبنی ہوں یا جن کی بنیاد استقراء تام پر رکھی گئی ہو جس کی وجہ سے اس میں کمی زیادتی نہ ہو سکتی ہو، بلکہ بات یہ ہے کہ اصل تقسیم وہی ہے جو ابتداء میں درج کی گئی یعنی شرک فی الذات، فی الصفات اور فی الافعال۔ اس کے علاوہ جو تقسیمات واقسام ذکر کی جاتی ہیں وہ انہی تین اقسام میں سے کسی نہ کسی قسم کے میں داخل ہوتی ہیں، جن اہل علم نے ان اقسام کو ذکر فرمایا ہے انہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے ان اقسام کو ذکر کرنا ضروری خیال فرمایا، اس لئے مشرق و مغرب اور قدیم وجدید علماء کے ذکر کردہ اقسام میں بظاہر خاصا تفاوت نظر آتا ہے لیکن در حقیقت اس میں کوئی تضاد یا منافات نہیں ہے بلکہ کوئی چاہے تو سینکڑوں اقسام بنا سکتا ہے کیونکہ ہمارے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص صفات وافعال بھی بہت زیادہ ہیں پھر ان میں شرک کرنے کا انداز بھی مختلف ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے شرک کی قسمیں سینکڑوں تک پہنچ سکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

فصل سوم:
اسباب اور ذرائع شرک

اللہ تعالیٰ کی صفات سے جہالت و ناواقفیت

اللہ تعالیٰ کی صفات عظمت و کبریائی جب تک انسان کے سامنے ہوں تب تک وہ موجبِ شرک اقدام نہیں کر سکتا، کمزور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا سہیم و شریک تبھی ٹھہرایا جاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے کماحقہ واقفیت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی صفات سے غفلت و جہالت ہی وہ بنیادی مرض ہے جس کے بیج سے شرک کی مختلف اصناف واقسام پھوٹتی ہیں، یہی چیز شرک کی اصل جڑ اور ام الفساد ہے، شرک کی طویل تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جن لوگوں نے بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے کا جرم کیا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ بڑائی اور عظمت و کبریائی کی صفات سے غافل تھے اور اسی غفلت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ پر قیاس کرتے رہے۔

مکہ مکرمہ اور دیگر بلاد کے بہت سے مشرکین اسی قیاس کے طور پر یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ایک بڑا خدا ہے جس نے کارخانہ عالم چلانے کے لئے مختلف چیزوں پر کام تقسیم کیا ہے کیونکہ دنیوی بادشاہ لوگ ایسا ہی کرتے ہیں کہ خود حکومت کے تمام مسائل نمٹانا ان کے بس میں نہیں ہوتا تو تقسیم کار کے اصول کے تحت وزیر و مشیر مقرر کئے جاتے ہیں ،اب جس طرح ہر شخص بادشاہ سے براہ راست اپنا کام نہیں کرواسکتا بلکہ وزیر و مشیر کا واسطہ ضروری ہوتا ہے اسی طرح ہر کوئی اللہ تعالیٰ سے براہ راست اپنا کام نہیں کرواسکتا بلکہ اس کے لئے غیر کا سہارا لینا ضروری ہے،اللہ تعالیٰ کی صفات میں تجسیم و تشبیہ کا اعتقاد بسا اوقات شرک تک پہنچا دیتا ہے اور گمراہی کی اس گڑھے میں ابھی تک ہزاروں افراد غرقاب ہو چکے ہیں ، تجسیم و تشبیہ کی یہ بدعت بھی اللہ تعالیٰ کی اصل صفات سے ناواقفیت اور پھر اس بنیاد پر ناجائز قیاس آرائی کا ثمرہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تین اہم اور بنیادی موضوعات میں سے ایک اہم موضوع مسئلہ توحید و شرک ہے ،اس میں کبھی تو پوری صفائی اور متانت کے ساتھ توحید کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا جاتا ہے اور اکثر آیات میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی وعظمت اور اس کے مقابلہ میں مخلوق کی کمزوری و بے بسی بیان کی جاتی ہے اس کا بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ عظیم خالق کے عظیم صفات و کمالات جب تک مستحضر ہوں اس وقت تک کمزور و بے بس مخلوق کو اس کے ساتھ شریک کرنے کی کوئی عقل مند شخص جسارت نہیں کر سکتا۔

لہٰذا شرک سے بچنے اور بچانے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرے اور اس کی عظیم صفات و کمالات کا استحضار کرتا رہے۔

بزرگوں کی تعظیم میں غلو

جو لوگ ایمان و تقویٰ اور اس پر استقامت کی نعمت سے مشرف ہوتے ہیں ان کو اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کہا جاتا ہے، ان حضرات کے متعلق ہمیشہ سے لوگ افراط و تفریط کے شکار رہے ہیں، کچھ لوگ تو ان حضرات کی تکریم و تعظیم کی بجائے ان کی گستاخی اور توہین پر اس حد تک آمادہ ہوتے ہیں کہ رفتہ رفتہ بات دلی عداوت و دشمنی تک بات پہنچ جاتی ہے، اس کے برعکس بعض لوگ ان کے ساتھ محبت و تعظیم میں اس حد تک غلو کرنے لگ جاتے ہیں کہ الوہیت کی صفات سے ان کو متصف سمجھنے لگتے ہیں چنانچہ ان کو عالم الغیب، حاضر ناظر، مشکل کشا اور حاجت روا تک کہنا شروع کرتے ہیں اور ان کے سامنے عبادات کی مختلف شکلیں بجالاتے ہیں۔

تاریخ کی گواہی

تاریخ شاہد ہے کہ ماضی میں شرک کا بڑا عنصر یہی رہا ہے کہ نیک لوگوں کی تعظیم میں غلو سے کام لیا جاتا تھا، بزرگان دین کا ادب و احترام اور ان کی تعظیم و تکریم ایک نیک جذبہ بلکہ ایک حد تک دینی و اخلاقی لحاظ سے ضروری ہے لیکن دین اسلام کے دیگر احکام کی طرح اس میں بھی اعتدال سے کام نہ لیا جائے تو اس کا نتیجہ ضلال و گمراہی کی صورت میں سامنے آتا ہے، قرآن کریم کی سورۃ نوح میں جو حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے قوم کی بتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بت بھی اصلاً بزرگان دین کی تعظیم کے جذبہ سے بنائے گئے تھے، نہ تو بنانے والوں کی نیت عبادت کی تھی نہ ہی

انہوں نے عملی طور پر ان کو معبود سمجھا تھا لیکن کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد یہی معبود ٹھہرائے گئے اور ان کی باقاعدہ پرستش شروع کی گئی۔

شریعت اسلامیہ میں ایسے تمام اسباب وذرائع کو مسدود کیا گیا جس پر چل کر انسان کو خدا سمجھنا شروع کرتا ہے، چنانچہ انسان خواہ کتنا ہی بزرگ ونیکوکار کیوں نہ ہو اس کو سجدہ کرنے کی ممانعت کی گئی خود حضور ﷺ کو سجدہ کرنے کی مذمت کی گئی، اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ ملاقات کرے تو سلام ومصافحہ کرنے کی تو اجازت بلکہ ترغیب ہے لیکن اس حد تک جھکنا جس سے رکوع کی مشابہت پیدا ہو جائے، اس سے منع کیا گیا، سنن ترمذی کی روایت ہے:

عن أنس بن مالك، قال: قال رجل: يا رسول الله الرجل منا يلقى أخاه أو صديقه أينحني له؟ قال: لا، قال: أفيلتزمه ويقبله؟ قال: لا، قال: أفيأخذ بيده ويصافحه؟ قال: نعم.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: کہ ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا دوست سے اگر ملے تو اسے جھک کر سلام کریں؟ آپؐ نے فرمایا: نا۔ پھر عرض کیا: کیا اس کو اپنے سینے سے لگا کر بوسہ دے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، پھر پوچھنے لگا: کیا اس کا ہاتھ تھام کر مصافحہ کرے؟ فرمایا: جی ہاں۔

---

[1] سنن الترمذي: باب ما جاء في المصافحة ج٤ص٣٧٢

ویسے تو پورا دین اسلام بجائے خود ادب ہی ہے جس میں جا بجا مسلمان اور خاص کر علماء وصلحاء کے اکرام واعزاز کی ترغیب دی گئی ہے لیکن جہاں تک الوہیت کی صفات اور اس کے حقوق کا باب ہے تو اس میں وحدانیت اور توحید کی پوری پاسداری کی گئی، چنانچہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے بار بار اعلان کرایا گیا کہ:

إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللهَ يَمُنُّ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ [إبراهيم: ١١]

ترجمہ:(ضرور ہم بھی تمہارے جیسے ہی آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہمارا کام نہیں کہ ہم اللہ کی اجازت کے سوا تمہیں کوئی معجزہ لا کر دکھائیں اور ایمان والوں کا بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہیئے)۔

کبھی نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ لوگوں کو بتائے کہ:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا [الكهف: ١١٠]

ترجمہ: میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہی ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے تو اسے چاہیئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے

بسا اوقات اس بات کے اظہار کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ:

{إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ} [فصلت: ٦]

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا ایک آدمی ہوں میری طرف یہی حکم آتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے پھر اس کی طرف سیدھے چلے جاؤ اور اس سے معافی مانگو اور مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور نبی اکرم ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے اس دوران حضور ﷺ نے ان کو کچھ مفید نصائح فرمائے ،روایت میں ہے کہ:

" يا غلام، إني معلمك كلمات: احفظ الله يحفظك، احفظ الله تجده تجاهك، وإذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعوا على أن ينفعوك، لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك، ولو اجتمعوا على أن يضروك، لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك، رفعت الأقلام، وجفت الصحف.[1]

ترجمہ: اے لڑکے، میں تجھے چند کلمات سکھا تا ہوں کہ: اللہ کی حفاظت کرو (اس کے احکام کی)، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، اللہ کی حفاظت کرو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگو، جب مدد چاہو اللہ ہی سے چاہو اور جان لو! کہ اگر ساری دنیا مل کر بھی تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو

[1] مسند أحمد ط الرسالة:رقم حديث٢٦٦٩،ج٤ص ٤٠٩

تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی، سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ سارے مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔

جس طرح عبادت کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا حق اور اسی کی عظمت کے مناسب ہے یوں ہی نفع وضرر کے متعلق بھی یہی پختہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ وہی ذات ستودہ صفات ہی اس کا تن تنہا مالک اور اس پر قادر ہے، وہ نہ چاہے تو پوری مخلوق کسی کو نفع یا ضرر نہیں پہنچا سکتی، مخلوقات میں کتنے ہی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی چاہت کے بغیر وہ از خود کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتے، حقیقت یہ ہے کہ ایک سبق ہی شرک کی جڑ کاٹنے کے لئے کافی ہے انسان کسی کی عبادت پر اسی وقت آمادہ ہوتا ہے جب وہ اس میں نافع یا مضر ہونے کی کوئی غیر معمولی طاقت کا کرشمہ دیکھتا ہے تو اس کو مسجود ومعبود ٹھہراتا ہے اور اسی کے سامنے اپنا سر راز ونیاز بچھا دیتا ہے اور کچھ مفاد حاصل ہونے کے بعد اس میں مزید الوہیت کی صفات کا تصور باندھنے لگتا ہے۔

زیارتِ قبور میں حد سے تجاوز

زمانہ ماضی سے لیکر آج تک شرک کا ایک اہم مرکز اور بہت سی شرکیات کا مرجع " قبر" رہا ہے، اس کی وجہ سے بہت سے سادہ لوح مسلمان مرد وعورت شعوری یا لاشعوری طور پر شرک جیسے گھناؤنے جرم کے مرتکب ہو چکے ہیں، احادیث مبارکہ میں زیارت قبور کی اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے جس کا فائدہ یہ

ہے کہ انسان کو موت اور آخرت کا استحضار رہے اور دنیوی عیش و عشرت میں اس حد تک مست نہ ہو کہ مقصد حیات ہی فوت ہو جائے، اس لئے گاہ بگاہ انسان اس جذبہ سے قبرستان جاتا رہے تو لائق تحسین ہے اور ساتھ اگر مسلمان مردگان کو کسی نیک کام کا ایصالِ ثواب کرنا چاہے تو بھی اچھی بات ہے، بس یہی زیارت قبور کا مقصد ہے۔

دور حاضر میں عام طورپر جو سادہ لوح مسلمان قبروں کی زیارت کرنے جاتے ہیں اس میں ان افراد کی تعداد بہت کم ہوتی ہے جو اس جذبہ سے سرشار اور مسنون طریقہ کار کے پابند ہوتے ہیں، عمومی طور پر ماحول یہ بن چکا ہے کہ صاحب قبر کے متعلق مختلف قسم کے خود ساختہ نظریات و تصورات کی ایک فہرست متعلق کی جاتی ہے، بعض اوقات ان کو نفع یا نقصان پہنچانے والا سمجھا جاتا ہے، کوئی اس کو مختلف امور میں متصرف گردانتا ہے، کہیں کسی صاحب قبر کو کسی خاص بیماری دور کرنے یا کسی خاص پریشانی ختم کرنے کا ذمہ دار تصور کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو نظریات واعتقادات کی حد تک بات تھی جہاں تک عملی صورت حال ہے تو وہ اس سے بھی ابتر ہے چنانچہ قبروں اور مزارات پر دسیوں منکرات وبدعات انجام دی جاتی ہیں، کہیں صاحب مزار کے سامنے سجدے کئے جاتے ہیں تو کہیں قبر کا طواف کیا جاتا ہے، کہیں صاحب قبر کے نام نذر و نیاز کیا جاتا ہے، تو کوئی تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کے نام جانور چھوڑتا ہے۔

غرض قبر جو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی جگہ تھی اور شریعت نے اسی مصلحت کے پیش نظر زیارت قبور کی ترغیب بھی دی، وہی قبر آج طرح طرح

کے بدعات وشرکیات کا مرکز بن چکا ہے، جہاں دس بیس نہیں بلکہ ہزاروں افراد جاکر نیک نیتی اور خلوص کے باوجود اپنا دین وایمان کو برباد کرتے ہیں، احادیث مبارکہ میں جگہ جگہ، مختلف اسالیب میں قبروں کے متعلق غلو کرنے کی ممانعت کی گئی، بطور مثال چند روایات ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اس سے اندازہ ہو جائے کہ شریعت مطہرہ نے کس قدر اہتمام کے ساتھ بدعات ومنکرات کے راستوں کو بند کیا ہے، صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ میں "ماریہ" نام کا ایک کنیسہ دیکھا تھا جس میں کچھ تصویریں وغیرہ تھیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کنیسہ کا حال ذکر فرمایا، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أولئك قوم إذا مات فيهم العبد الصالح، أو الرجل الصالح، بنوا على قبره مسجدا، وصوروا فيه تلك الصور، أولئك شرار الخلق عند الله»[1]

ترجمہ: (جب ان لوگوں میں کوئی نیک آدمی فوت ہوجاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنالیتے تھے اور اس میں وہی تصویریں بنالیتے تھے، وہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بدترین مخلوق ہوں گے۔

ایک جگہ پوری قوت اور صفائی کے ساتھ امت کو یہ تعلیم دی کہ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ، صحیح مسلم کی روایت ہے

حدثني جندب، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قبل أن يموت بخمس، وهو يقول: «إني أبرأ إلى الله أن يكون لي منكم خليل، فإن الله

---

[1] صحيح البخاري: باب الصلاة في البيعة ج١ص ٩٥

تعالى قد اتخذني خليلا، كما اتخذ إبراهيم خليلا، ولو كنت متخذا من أمتي خليلا لاتخذت أبا بكر خليلا، ألا وإن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم وصالحيهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد، إني أنهاكم عن ذلك»١

ترجمہ :حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کے وصال سے پانچ دن پہلے فرماتے ہوئے سنا: خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء وصالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے تھے، یادرکھو کہ تم کبھی قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس بات سے روکتا ہوں۔

یہ بات تو آپ ﷺ نے انتقال سے پانچ دن پہلے ارشاد فرمائی، لیکن پھر بھی اس پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ مرض الموت کے عالم میں بھی جب تکلیف سے کچھ افاقہ حاصل ہو جاتا تو آپ ﷺ یہی تلقین فرماتے، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ:

أن عائشة، وعبد الله بن عباس، قالا: لما نزل برسول الله صلى الله عليه وسلم طفق يطرح خميصة له على وجهه، فإذا اغتم بها كشفها عن وجهه، فقال وهو كذلك: «لعنة الله على اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد» يحذر ما صنعوا.٢

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مرض الوفات میں اپنی چادر بار بار اپنے منہ پر ڈالتے تھے، جب آپ ﷺ گرمی محسوس کرتے تو اسے اپنے چہرے سے

---

١ صحيح مسلم: باب النهي عن بناء المساجدعلى القبورج١ص ٣٧٧

٢ صحيح البخاري ج١ص٩٥

ہٹا دیتے، اسی حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا: یہود و نصاری پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، آپ ان کے افعال سے ممانعت فرماتے تھے۔

عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال في مرضه الذي مات فيه: «لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مسجدا»، قالت: ولولا ذلك لأبرزوا قبره غير أني أخشى أن يتخذ مسجدا[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض الموت میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود ونصاری پر لعنت کریں انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا تو لوگ آپ ﷺ کے قبر مبارک کو ظاہر کر دیتے لیکن مجھے (اب بھی) اس کا ڈر ہے کہ آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنایا جائے۔

عن عطاء بن يسار؛ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد. اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد».[2]

ترجمہ: حضرت عطاء ابن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: کہ اے اللہ ! میری قبر کو بت نہ بنا کہ لوگ اس کی عبادت کرنے

---

[1] صحيح البخاري: باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبورج٢ص ٨٨

[2] موطأ مالك : جامع الصلاةج٢ص٢٤٠

لگیں۔ جن لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا،ان پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب (نازل) ہوا۔

شریعت اسلامیہ چونکہ دین فطرت اور دین کامل ہے جس میں محض کسی جرم ہی کو منع نہیں کیاجاتا بلکہ بڑے جرائم کے اسباب وذرائع کو بھی بند کرنے کا اہتمام کیاجاتاہے اس لئے اس دین فطرت نے قبر کے ساتھ ہر ایسے رویہ کو ناجائز قرار دیا جس کی بدولت انسان بدعات یاشرکیات کے جال میں پھنس جائے جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے، لہٰذا افراد امت کو شرک کی لعنت سے بچانے کے لئے اس بات کا خوب اہتمام کرنا ضروری ہے کہ زیارت قبور کا اصل شرعی حکم،اس کے حدود وقیود،اس سلسلہ میں رائج اعتقادی عملی منکرات وبدعات لوگوں کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی جائے اور جن خوش نصیب لوگوں کواللہ تعالیٰ نے امت کے غم درد اور حکمت وتدبر کی صفات سے نوازا ہے وہ ان جیسے تمام معاملات میں مسنون طریقہ کار کی عملی تبلیغ وتلقین کرکے لوگوں کے لئے ایک مثال قائم کریں۔

تعصب وعصبیت

علامہ ابن منظور افریقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تعصب اور عصبیت یہ ہے کہ آدمی حق وباطل کی تمیز کئے بغیر ہر حال میں اپنی قوم، جماعت یاپارٹی ہی کی حمایت پر تُلا رہے، اپنی جماعت حق پر ہے یا باطل پر، ظالم ہے یامظلوم؟ اس بات کی طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرے بس جس طرف اپنی جماعت یا اپنے پارٹی

کے لوگ ہوں ان سے بہر حال اتفاق کرتا ہے ۱ ،یہی وہ تعصب ہے جو شرعاً مذموم ہے، سنن ابی داؤد کی روایت ہے :

عن جبير بن مطعم، أن رسـول الله صـلى الله عليـه وسـلم، قـال: «ليس منا من دعا إلى عصبية، وليس منـا مـن قاتـل عـلى عصـبية، وليس منا من مات على عصبية»۲

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل ہے کہ :جو عصبیت کی طرف دعوت دے، یاجو عصبیت کی بناء پر لڑے یا جو عصبیت کے لئے مرے وہ ہم میں سے نہیں۔

تعصب بعض اوقات ایک اچھے بھلے انسانوں کو ایسے کاموں پر مجبور کرتی ہے جو سراسر خلاف انصاف اور خلاف عقل ہوتی ہیں اور اگر درمیان میں تعصب کا جذبہ نہ ہوتا تو وہ شخص کبھی ایسااقدام نہ کرتا،اس لئے مشہور ہے کہ :

"التعصب اذا تملک أهلک"

جب تعصب کسی شخص پر غالب ہو جائے تو اس کو ہلاک کر کے رکھ دیتا ہے۔

چنانچہ مشہور ہے کہ مسیلمہ کذاب کے حمایتی گروہ میں ایک تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جنہوں نے خود اعتراف کیا تھا کہ مسیلمہ کذاب (جھوٹا) ہے اور حضرت محمد ﷺ صادق ہے

ولکن کذاب ربیعة احب الینامن صادق مضر

یعنی قبیلہ ربیعہ کا جھوٹا آدمی بھی قبیلہ مضر کے سچے آدمی سے ہمیں زیادہ پسند ہے [1]۔

---

۱ لسان العرب،ج۱ص۶۰۶

۲ سنن أبي داود: باب في العصبية ج ٤ص ۳۳۲

یہی تعصب جس طرح دیگر منکرات و خرابیوں پر لوگوں کو اکساتی ہے اسی طرح بہت سے بدعات و شرکیات بھی اسی جذبہ کی بدولت وجود میں آتے ہیں بلکہ بہت سی بدعات کا بڑا سہارا ہی یہی قومی یا جماعتی تعصب ہوتا ہے اور ناجائز رسوم کی بے جا پابندی کی جڑ یہی تعصب ہے، روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے نظریات واعمال ایسے ہیں جن پر لوگ بڑی پابندی اور پورے اہتمام کے ساتھ عامل ہوتے ہیں لیکن اس کے متعلق نہ تو اپنے طور پر تحقیق کرتے ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کی تحقیق سننے سمجھنے کی تکلیف کرتے ہیں بلکہ اپنے ہی لوگوں کی بات کو حرف آخر سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ یا اس کے بعد کسی کی بات سننے تک کی ضرورت محسوس نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر "اپنے" لوگ کسی علمی لغزش میں مبتلا ہوئے تھے یا کسی واقعی بدعت اور موجب شرک معاملہ کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکے تھے تو وہ لغزش بھی علمی یقینی مسئلہ اور فیصلہ کن حکم کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور تعصب کے مارے بہت سے لوگ پوری بصیرت اور شرح صدر کے ساتھ ان امور کو اختیار کر لیتے ہیں۔

ہمارے ہاں تعصب کی ایک نہایت مذموم شکل بے جا فرقہ بندی ہے جس کی وجہ سے امت کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور مختلف بنیادوں پر فرقے وجود میں آچکے ہیں اب ایک فرقہ کا اہل کار دوسری جماعت کی بات کو سننا ہی گوارا نہیں کرتا اور اپنے ہی فرقہ کی تمام تر باتوں کو شریعت کے ترازو میں تولے بغیر عین حق سمجھتے ہیں جس میں

[1] ملاحظہ ہو: تاریخ طبری، حوادث السنة الحادیة عشر، ج۳ص۲۸۶

انکار یا نظرثانی کی دور دور تک کوئی گنجائش نہیں ہوتی، بدعات وشرکیات کے فروغ میں اس تعصب کا بھی بڑا دخل ہے، اللہ تعالیٰ اتحاد واتفاق کی دولت ونعمت سے امت مرحومہ کو سرفراز فرمائے۔

صفات الٰہیہ میں تجسیم وتشبیہ کا اعتقاد

قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے کہ مثلاً وہ سمیع، بصیر ہے، عرش پر استواء فرمایا، بعض نصوص میں وجہ، ید، ساق، اصابع وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، زمانہ قدیم سے آج تک بعض لوگ بسا اوقات ان نصوص کو حقیقی معانی پر محمول کر کے اللہ تعالیٰ کو عام محسوس اجسام کی طرح جسم قرار دینے کے درپے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات عظمت کو محسوس ومشاہد اجسام اور ان کی صفات پر قیاس کرتے ہیں ،اس کو تجسیم وتشبیہ کہا جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں بعض لوگ اسی زاویہ نظر سے جب دیکھتے ہیں کہ یہ صفات وافعال تو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتے کیونکہ ذات باری تعالیٰ ان صفات سے منزہ اور پاک ہے تو تذبذب میں آکر خود ان صفات کا ہی انکار کر جاتے ہیں اس کو تعطیل سے تعبیر کیا جاتا ہے، افراط وتفریط اور مبالغہ وتقصیر کی یہ دونوں ہی شکلیں غلط اور سخت گمراہی کی بات ہے۔

یہی اعتقاد بسا اوقات اپنے معتقدین کو شرک کی حدود تک لے جاتا ہے، تجسیم میں شرک کا پہلو یہ ہے کہ ذات مجسم تو یقیناً اللہ تعالیٰ ومعبود برحق نہیں ہے، اس کے باوجود اس کو اللہ قرار دیا جارہا ہے، واضح رہے کہ شرک کے لئے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایک شخص بالفعل دو خداؤں کی حقانیت کا اعتقاد رکھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ہستی کو صفات الوہیت سے متصف ماننا بھی شرک ہے خواہ ساتھ

دوسرے معبود کا اعتقاد نہ بھی رکھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود یقینی اور قطعی ہے،اسی طرح تعطیل کا معاملہ بھی ہے کہ صفات کمال سے عاری ذات تواللہ تعالیٰ کی نہیں ہے لہٰذا ایسے رب کا اعتقاد اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دینے کے مترادف ہے۔

تجسیم کا عقیدہ ہو یا تعطیل کا، دونوں کو انکار نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ایسا شخص غلط سہی لیکن وجود رب کا معتقد ہے البتہ شرک کے مفہوم میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ صفات تنزیہ کے انکار کو متضمن ہے اوراس کا انکار منافی توحید ہے چنانچہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال میں وحدانیت کا اعتقاد اصل صفات کے ثبوت کے اعتقاد پر مبنی اوراس پر موقوف ہے لہٰذا توحید کی صحت واعتبار کے لئے اقتضاء النص کے طور پر اصل صفات کے ثبوت کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے اوران صفات کا انکار توحید میں مخل ہے۔

قرآن وحدیث میں جس کو شرک کہا گیا

قرآن وحدیث میں متعدد چیزوں کو شرک قرار دیا گیا، کئی اعمال کے ارتکاب کرنے والوں کو مشرک ٹھہرایا گیا، بعض افعال کے بارے میں یہ وارد ہوا ہے کہ جو ایسا کرے گا وہ مشرک ہے،ان نصوص کی توجیہ کیا ہے؟جو شخص نصوص میں ذکر کردہ اعمال کا ارتکاب کرتا ہے کیا وہ ایسا مشرک قرار پائے گا جس کی وجہ سے وہ دین اسلام کے دائرہ سے نکل کر کافر ہو جائے یا نہیں؟

ان نصوص کے متعلق بسا اوقات غلو سے کام لیا جاتا ہے جس کا مظاہرہ کبھی افراط کی صورت میں ہوتا ہے کہ نصوص میں جس عمل کے متعلق بھی لفظ شرک کا استعمال

ہوا ہے اس کا کرنے والا مشرک ہو جائے گا اور یہ شرک اکبر ہے جس کی وجہ سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کافر بن جاتا ہے، اس افراط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیائے اسلام کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جاتا ہے اور بہت سے کلمہ گو اور توحید کے صحیح علمبردار لوگوں پر بھی شرک و کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں اور ان کو مشرکین مکہ کی طرح سمجھا جاتا ہے پھر ان پر کفار کے احکام بھی جاری کر دئے جاتے ہیں کہ نہ ان سے رشتہ ناطہ جائز، نہ دیگر دینی ومذہبی تعلقات کی کوئی گنجائش چھوڑی جاتی ہے۔

یہی غلو بعض اوقات تفریط و تقصیر کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کہ ان نصوص میں اس قدر دور از کار تاویلات کا سہارا لیا جاتا ہے جن کی وجہ سے ان نصوص مبارکہ کا سارا زور ماند پڑ جاتا ہے اور شارع کا منشا بالکل ہی فوت ہو جاتا ہے اور اس کا یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ شرک کے ذرائع ووسائل بے دریغ کھولے رکھے جاتے ہیں اور ان تاویلات کی بدولت بسا اوقات شرک اکبر کا مفہوم موجود ہوتے ہوئے بھی اس کو شرک و کفر تو کیا گناہ تک بھی نہیں سمجھا جاتا، اس سے بھی بڑھ کر اس کو عین ایمان واسلام سمجھا جاتا ہے اور یوں اس غلط فہمی و غلو کی وجہ سے امت مرحومہ کے بہت سے افراد نہ چاہتے ہوئے بھی شرک کے گڑھے میں گرتے چلے جاتے ہیں۔

اس بے جا اور خطرناک غلو کو دیکھ کر اس فصل میں ان جیسی نصوص کا ذکر کیا جاتا ہے ان نصوص کا معنٰی و محمل اور اصل مناط شرک کی تعیین و تحدید کی کوشش کی جاتی ہے۔

نصوص کے متعلق ضابطہ

قرآن وحدیث میں سدذرائع کے طور پر کئی ایسی چیزوں پر شرک کا اطلاق کیا گیا ہے جن میں شرک کا حقیقی مفہوم اور اصل مناط موجود نہیں ہوتا لیکن انجام کار وہ شرک کا ذریعہ اور وسیلہ بن جاتی ہیں یا مشرکین کی مشابہت حاصل ہو جاتی ہے، لہٰذا تشریع کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کی پوری ممانعت کی جائے تاکہ کوئی اس راستہ پر چل کر شرک کا شکار نہ ہو جائے، امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ولما كان مبنى التشريع على إقامة المظنة مقام الأصل عد أشياء محسوسة هي مظان الاشراك كفرا، كسجدة الأصنام، والذبح لها، والحلف باسمها، وأمثال ذلك.[١]

ترجمہ: شریعت مطہرہ کا مزاج یہ ہے کہ خدشہ کو واقع کا مقام دیا جاتا ہے، اس لئے بہت سارے ایسے محسوس افعال جن میں شرک کا خدشہ ہوتا ہے، واقعی شرک و کفر شمار کئے گئے، جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، ان کے لئے ذبح کرنا، ان کے ناموں کی قسمیں کھانا، وغیرہ۔

ان نصوص کے متعلق ضابطہ کی بات یہ ہے کہ جن چیزوں کو شرک قرار دیا جاتا ہے ان میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ شرک کا حقیقی مفہوم موجود ہے یا نہیں؟ اگر اس میں شرک کا حقیقی مفہوم صراحت کے ساتھ پایا جاتا ہے تب تو اس کو شرک اکبر ہی قرار دیا جائے گا اور اس کا کرنے والا مشرک کہلائے گا، اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ یا ذرائع شرک ثابت ہوں گے یا افعالِ مشرکین (جو کہ درحقیقت اس عامل یا دیگر افراد

---

[١] حجة الله البالغة،قبيل باب اقسام الشرك،ج١ص١١٩.

کے حق میں شرک کاذریعہ بن جاتاہے) لیکن خوداس عمل کو عین شرک اکبر قرار دینا درست نہیں ہوگااور محض اس عمل کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے کسی کو مشرک وکافر قرار دینا بھی جائز نہیں، بلکہ ان جیسے اعمال کے متعلق احتیاط واعتدال کا پہلو یہی ہے کہ ان چیزوں کی خوب مذمت کرنی چاہئےاور مسلمانوں کو اس سے بچانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے لیکن اگر کسی مسلمان فرد یاجماعت نےاس کاارتکاب کیاتو محض اس عمل کے ارتکاب سے ان کو کافر نہ کہاجائے اسی طرح چونکہ ہمارے ہاں لفظ "مشرک" بھی شرک اکبر اور کفر کے لئے استعمال ہوتاہے اسی لئے ایسے افراد کو مشرک بھی نہ کہاجائے بلکہ مناط شرک کی تنقیح کرکے اس کے مطابق عمل درآمد کیاجائے،اس فصل میں اسی مناطِ شرک کوذکر کرنامقصود ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانا

مسند احمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إنه من حلف بشيء دون الله، فقد أشرك ".[1]

ترجمہ: جس نے اللہ تعالی کے سوا کسی چیز کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

اس میں غیر اللہ کے نام حلف کو شرک قرار دیا گیاہے لیکن ظاہر ہے کہ محض حلف بغیر اللہ کے ساتھ ضروری نہیں کہ اس غیر کواللہ تعالیٰ کی ذات،صفات یاافعال میں واضح طور پر شریک وسہیم ٹھہرایاجائے اس لئے یہ شرک اصغر یاشرک عملی

---

[1] مسند أحمد ط الرسالة،ج١ص ٤١٤

پر محمول ہے لیکن ایسا کرنا بہر حال ناجائز ہے کہ ذریعہ شرک ہے ،اس میں مناط شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام کی اس حد تک تعظیم و تقدیس کی جائے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی کی جاتی ہے ، یاد رہے کہ مطلقِ تعظیم شرک نہیں ہے بلکہ جیسا کہ بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ غیر اللہ کی ایسی تعظیم شرک ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہو۔

امام طحاوی رحمہ اللہ ان روایات کی تشریح و توجیہ میں فرماتے ہیں:

لم يرد به الشرك الذي يخرج به من الإسلام، حتى يكون به صاحبه خارجا من الإسلام، ولكنه أريد أن لا ينبغي أن يحلف بغير الله تعالى وكان من حلف بغير الله فقد جعل من حلف به كما الله تعالى محلوفا به وكان بذلك قد جعل من حلف به أو ما حلف به شريكا فيما يحلف به، وذلك عظيم فجعل مشركا بذلك شركا غير الشرك الذي يكون به كافرا بالله تعالى خارجا من الإسلام.[1]

ترجمہ: ان نصوص سے مراد شرک نہیں ،جس سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، کہ اس کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دیا جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا انتہائی نامناسب حرکت ہے، یہاں تک کہ جو غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے گویا اس نے اس غیر کو اللہ تعالی کی طرح بنایا۔ یعنی جیسا کہ اس نے محتاجِ حلف معاملات میں غیر کی قسم کھا کر، اسے قسم کھانے میں اللہ تعالی کا برابر اور شریک بنا دیا، اور یہ کوئی ہلکی بات

---

[1] شرح مشكل الآثار، باب بيان مشكل ما روي عنه عليه السلام فيمن حلف بغير الله تعالى ما حكمه في ذلك؟ ، ج٢ص٢٩٦.

نہیں۔اس لئے اس کو مشرک قرار دیا، مگر یہ شرک کی وہ قسم نہیں جس سے کوئی اللہ تعالی کا منکر یا دائرہءاسلام سے خارج ہو جائے۔

کونسی تعظیم شرک ہے

مطلقِ تعظیم شرک نہیں ہے بلکہ تعظیم کی بعض انواع مامور بہ بھی ہیں،اب اس جائز اور موجب شرک تعظیم کے درمیان حد فاصل کیا ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ" میں اس کی پوری بسط وتفصیل ذکر فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تعظیم،تدبیر، تصرف، تسخیر اور قدرت وغیرہ صفات کی ایک حد تو وہ ہے جو خود اپنے یا دیگر انسانوں اور دیگر مخلوقات کو حاصل ہے اور ایک حد ان صفات کی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے،اب تعظیم کی یہ پہلی قسم شرک نہیں بلکہ بعض صورتوں میں جائز، بعض میں مامور بہ ہے اور تعظیم کی یہ دوسری قسم غیر اللہ کے حق میں موجب شرک ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

والإنسان إذا خلى نفسه أدرك لا محالة أنه يقدر للقوة والشرف والتسخير وما أشبهها مما يعبر به عن الكمال قدرين قدرا لنفسه ولمن يشبهه بنفسه، وقدرا لمن هو متعال عن وصمة الحدوث والإمكان بالكلية.[1]

ترجمہ: اگر انسان تنہائی میں ذرا غور کرے تو یقیناً وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ طاقت، شرف وعظمت، تسخیر اور اس جیسے کمالی صفات کے دو حدود ہو سکتے ہیں،ایک حد وہ ہے جو اس

---

[1] حجة الله البالغة،باب في حقيقة الشرك،ج١ص١١٧.

کی ذات اور اس کے مشابہ دیگر لوگوں کو حاصل ہے۔ دوسری حد اس ہستی کے لئے ہے، جو حدوث اور امکان کی عیب سے بالکلیۃ مبرّا ہے۔

غیر اللہ کے نام نذر ماننا

نذر بھی یمین ہے اور جس طرح غیر اللہ کے نام قسم کھانا جائز نہیں اسی طرح نذر ماننا بھی ناجائز ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کہے کہ اے فلاں ولی: اگر میرا یہ کام ہو جائے تو آپ کے نام ایک بکرا ذبح کروں گا، اس کے گناہ و معصیت ہونے میں تو اختلاف نہیں ہے، البتہ سوال یہ ہے کہ کیا یہ شرک اکبر بھی ہے ؟اور اس طرح نذر ماننے سے کوئی کافر و مشرک ہو جائے گا یا نہیں؟ تو اس کا دار مدار مناطِ شرک پر ہے اور یہاں مناط شرک یہ ہے کہ جس کے نام کی نذر مانی ہے، اگر اس کو نفع پہنچانے یا بلاء و مصیبت دور کرنے میں مستقل متصرف سمجھتا ہے تو اس اعتقاد کے ساتھ نذر ماننے سے مشرک ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ، شیخ قاسم سے نقل فرماتے ہیں:

أما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أو مريض، أو له حاجة ضرورية فيأتي بعض الصلحاء فيجعل سترة على رأسه فيقول يا سيدي فلان إن رد غائبي، أو عوفي مريضي أو قضيت حاجتي فلك من الذهب كذا، أو من الفضة كذا، أو من الطعام كذا، أو من الماء كذا، أو من الشمع كذا، أو من الزيت كذا فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه منها أنه نذرلمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة

لا تكون للمخلوق ومنها أن المنذور لـه ميـت والميـت لا يملـك ومنها إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر.[١]

ترجمہ: عام طور پر عوام جو نذریں مانتے ہیں مثلاً یہ کہ جب کسی کا کوئی عزیز لاپتہ ہو، یا مریض ہو، یا اس کی کوئی ضرورت ہو تو وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جاکر اس کے سرہانے ایک کپڑا رکھ کر کہتا ہے کہ: اے فلاں! اگر مجھے میری کھوئی ہوئی چیز واپس ملی، یا مریض شفایاب ہوا، یا حاجت پوری ہوئی، تو آپ کے لئے اتنا سونا، یا اس قدر چاندی، کھانا، پانی، شمع یا تیل دونگا، یہ نذر بالاتفاق کئی وجوہات کی بناء پر باطل ہے۔ ایک یہ ہے کہ یہ نذر مخلوق کے لئے ہے اور مخلوق کے لئے نذر جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے، اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ جس کے لئے نذر مانی ہے وہ مردہ ہے اور میّت مالک نہیں بن سکتا۔ تیسری وجہ یہ کہ اگر اس کا عقیدہ ہو کہ اللہ کے علاوہ میّت کو بھی امور میں تصرّف کرنے کا حق حاصل ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے۔

غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا

بہت سے فقہی کتابوں میں کسی بادشاہ وغیرہ کے قدوم کے لئے جانور ذبح کرنے کو بھی ناجائز کہا گیا ہے کہ ذبح کرنا بھی ناجائز ہے اور جانور بھی حرام ہے اگرچہ اس پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے، اس میں مناطِ شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب یا اس کی تعظیم کے لئے ایسے کیا جائے، لیکن تقرب سے مطلقاً نزدیک

---

[١] البحر الرائق ،قبيل باب الاعتكاف، ج٢ص٣٢٠.

ہونا مراد نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح نیک اعمال وعبادات کرکے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح غیر اللہ کا تقرب بطور عبادت حاصل کرنے کے لئے کوئی جانور ذبح کرے، اور یہاں بھی غیر اللہ کی تعظیم سے مراد وہی تعظیم ہے جو حلف بغیر اللہ کے مسئلہ میں ذکر ہو چکا ہے۔

"درمختار" اور اس کے حاشیہ شامی میں ہے:

(ذبح لقدوم الأمير) ونحوه كواحد من العظماء (يحرم) لأنه أهل به لغير الله (ولو) وصلية (ذكر اسم الله تعالى) (ولو) ذبح (للضيف) (لا) يحرم لأنه سنة الخليل وإكرام الضيف إكرام الله تعالى. والفارق أنه إن قدمها ليأكل منها كان الذبح لله والمنفعة للضيف أو للوليمة أو للربح، وإن لم يقدمها ليأكل منها بل يدفعها لغيره كان لتعظيم غير الله فتحرم، وهل يكفر؟ قولان بزازية وشرح وهبانية. قلت: وفي صيد المنية أنه يكره ولا يكفر لأنا لا نسيء الظن بالمسلم أنه يتقرب إلى الآدمي بهذا النحر.

(قوله والفارق) أي بين ما أهل به لغير الله بسبب تعظيم المخلوق وبين غيره.. (قوله وإن لم يقدمها ليأكل منها) هذا مناط الفرق لا مجرد دفعها لغيره: أي غير من ذبحت لأجله أو غير الذابح فإن الذابح قد يتركها أو

يأخذها كلها أو بعضها فافهم... (قوله أنه يتقرب إلى الآدمي) أي على وجه العبادة لأنه المكفر.١

ترجمہ: جس نے رئیس یا کسی بڑے کی آمد پر جانور ذبح کر دیا، تو وہ حرام ہوگا، کیونکہ اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا اور اگر اس پر اللہ تعالی کا نام لیا گیا یا مہمان کے لئے ذبح کیا گیا تو حرام نہیں، کیونکہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی سنت مبارکہ ہے اور مہمان کا اکرام کرنا اللہ تعالی کا اکرام کرنا ہے۔ دونوں صورتوں میں فرق اس طرح ہوگا کہ اگر اسے کھانے کے لئے پیش کرے تو ذبح للہ سمجھا جائے گا اور فائدہ مہمان، ولیمہ یا کمائی کی صورت میں ہوگا۔ اور اگر اس کو کھانے کے لئے پیش نہ کرے بلکہ اسے کسی اور کے حوالہ کر دے، تو یہ ذبح غیر اللہ کی تعظیم کے لئے تصور ہوگا اور حرام ہوگا۔ نیز اس عمل سے یہ شخص کافر ہوگا یا نہیں؟ فتاوی بزازیہ اور شرح وہبانیہ میں دونوں قول نقل ہیں۔ بندہ کی رائے یہ ہے کہ منیہ کے کتاب الصید میں ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے تاہم اس سے وہ کافر نہ ہوگا، کیونکہ ہم کسی مسلمان پر یہ بدگمانی نہیں کر سکتے کہ وہ کسی انسان کا تقرّب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرے گا۔ خلاصہ یہ کہ اگر ذبح سے عبادت کے طور پر کسی آدمی کی تقرب مقصود ہو تو اس سے وہ کافر ہوگا ورنہ نہیں

تمیمہ لٹکانا

مسند احمد میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

عن عقبة بن عامر الجهني، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل إليه رهط، فبايع تسعة وأمسك عن واحد، فقالوا: يا رسول الله،

---

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الذبائح، ج٦ص٣٠٩

بايعت تسعة وتركت هذا؟ قال: " إن عليه تميمة " فأدخل يده فقطعها، فبايعه، وقال: " من علق تميمة فقد أشرك ".[1]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک جماعت آئی، آپ ﷺ نے ان میں سے نو افراد سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نو کو بیعت فرمایا اور اس کو چھوڑ دیا؟ آپ ﷺ فرمایا: اس نے تعویذ لٹکایا ہوا ہے اور آپ ﷺ ہاتھ اندر کر کے اس کو توڑ دیا اور بیعت لیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ: جس نے تعویذ لٹکائی اس نے شرک کیا۔

یہاں تعویذ باندھنے والے کو مشرک قرار دیا گیا، لیکن اس سے ہر قسم کی تعویذ مراد نہیں ہے کیونکہ اس میں شرک کا مفہوم متحقق نہیں ہوتا اور تعویذ تو خود سلف سے ثابت ہے، اس لئے شارحین حدیث نے اس سے زمانہ جاہلیت والے تمائم مراد لئے ہیں جن کو وہ لوگ مؤثر بالذات سمجھتے تھے اور یہی مناط شرک ہے، علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(فقد أشرك) أي فعل فعل أهل الشرك، قال ابن عبد البر: إذا اعتقد الذي قلدها أنها ترد العين فقد ظن أنه ترد القدر واعتقاد ذلك شرك. قلت: قد فعل بعض الصحابة – رضي الله عنهم – تقليد الصبي لرق يكتب فيه أدعية نبوية فكأنه حمل هذا على نحو الحجارة، وفي النهاية: أنه خرزات كانت العرب تعلقها على

---

[1] مسند أحمد ط الرسالة، ج٢٨ص٦٣٧.

أولادهم يتقون بها العين على زعمهم فأبطله الإسلام انتهى؛ فلا إشكال على هذا.١

ترجمہ:اس حدیث مبارکہ میں شرک کرنے سے مراد مشرکین جیسا کام کرنا ہے،ابن عبدالبرؒ نے فرمایا: تعویذ لٹکانے والے کا اگر یہ اعتقاد ہو کہ یہ بذات خود نظرِبد کو دفع کرتا ہے تو گویا اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ یہ تقدیر کو دفع کرتا ہے اور یہ اعتقاد شرک ہے۔بندہ کہتا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے دَم کے طور پر بچوں کو ایسے تعویذ لٹکائیں جن میں مسنون دعائیں لکھی ہوتی تھی،تو گویا انہوں نے اس کو پتھر وغیرہ پر حمل کیا۔نیز نہایہ میں ہے کہ: تمیمہ پتھر کے چڑھے ہوئے نگ ہوتے تھے جنہیں عرب اپنے بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لیے لٹکاتے تھے،اسلام نے اس فعل کو غلط قرار دیا ،اس معنی پر اب کوئی اشکال نہیں۔

علامہ توربشتی رحمہ اللہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

أما التميمة فأنها في الأصل خرزات كانت العرب تعلقها على أولادهم ينفون بها العين بزعمهم. وفي الحديث: (التمائم والرقى من الشرك) فعلمنا أن المراد به منها ما كان من تمائم الجاهلية ورقاها، على ما بين في غير موضع، فأما القسم الذي يختص بأسماء الله وكلماته، فإنه غير داخل في جملته، بل هو مستحب مرجو البركة، عرف ذلك من أصل السنة، لا ينكر فضله وفائدته.٢

---

١ التنوير شرح الجامع الصغير،ج١٠ص٣١٤

٢ الميسر في شرح مصابيح السنة للتوربشتي،باب الطب والرقى،ج٣ص١٠٠٨

ترجمہ: تمائم دراصل ایسے چڑھے ہوئے پتھر تھے جنہیں عرب اپنے بچوں کو نظر بد سے بچانے کے واسطے لٹکاتے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ (تعویزات اور دَم شر کی افعال میں سے ہیں) پس معلوم ہوا کہ اس سے مراد جاہلیت کے تعویذات و رقیات ہیں، جیسا کہ کئی جگہ ذکر ہوا ہے۔ البتہ ان کی وہ قسم جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات پر مشتمل ہوتے ہیں تو وہ درجہ بالا تعویذات میں داخل نہیں، بلکہ وہ درست اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں، اس سے برکت کی امید کی جاسکتی ہے، اس کی برکت اور فائدے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ایک روایت میں تمائم کے ساتھ "رقی" اور "تِوَلہ" کو بھی شرک قرار دیا گیا ہے اس کا بھی یہی محمل ہے، علامہ شوکانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قوله: (شرك) جعل هذه الثلاثة من الشرك لاعتقادهم أن ذلك يؤثر بنفسه.[1]

ترجمہ: مذکورہ تینوں امور کو شرک کہا گیا اس کی وجہ ان کا وہ اعتقاد ہے کہ وہ اس کی ذات میں تاثیر کا اعتقاد رکھتے۔

سحر شرک ہے

امام نسائی اپنی سنن کبریٰ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من عقد عقدة ثم نفث فيها فقد سحر، ومن سحر فقد أشرك، ومن تعلق شيئا وكل إليه»[2]

---

[1] نيل الأوطار، باب ما جاء في الرقى والتمائم، ج٨ص٢٤٤

[2] السنن الكبرى للنسائي، رقم الحديث: ٣٥٢٨

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی دھاگہ باندھا پھر اس میں پھونک ماری، اس نے سحر کیا اور جس نے سحر کیا اس نے شرک کیا، اور جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے حوالے کیا جائے گا۔

اس روایت مبارکہ میں سحر کرنے والے کو مشرک فرمایا گیا، لیکن محض سحر شرک اکبر نہیں ہے بلکہ ذریعہ شرک ہے، سد ذرائع کے طور پر بعض اوقات سحر ہی کو شرک قرار دیا جاتا ہے، اس میں مناط شرک وہ عناصر ہیں جن کا بہت سے ساحر لوگ ارتکاب کرتے ہیں مثلاً شیطان یا دیگر جنات کی عبادت کرنا، یا غیر اللہ میں سے بعض چیزوں کو مؤثر بالذات سمجھنا۔ اگر کوئی سحر کے ساتھ۔ نعوذ باللہ۔ ایسا کوئی اقدام کرے تو وہ مشرک قرار پائے گا ورنہ نہیں، اگر سحر میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے صریح کفریہ کلمات وغیرہ کا ارتکاب کیا جائے تو گو وہ حقیقی معنیٰ میں شرک نہیں بلکہ کفر ہے لیکن بعض اوقات مطلقِ کفر کو بھی شرک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ نورالدین سندی رحمہ اللہ اس حدیث کی مختلف توجیہات بیان کرتےن ہوئے فرماتے ہیں:

فقد أشرك أَي فقد أَتَى بِفعل من أَفعَال الْمُشْركين أَو لِأَنَّهُ قد يُفْضِي إِلَى الشّرك إِذا اعْتقد أَن لَهُ تاثيرا حَقِيقَة وَقيل الْمُرَاد الشّرك الْخَفي بترك التَّوَكُّل والاعتماد على الله سُبْحَانَهُ.[١]

---

[١] حاشية السندي على سنن النسائي، كتاب تَحْرِيم الدَّم، ج٧ص ١١٢.

ترجمہ: حدیث مبارکہ میں شرک سے مراد یامشرکین جیساکام ہے یایہ شرک کاذریعہ بن سکتاہے جب اس کے ساتھ یہ عقیدہ ہو کہ یہ بالذات مؤثرہے یا شرک سے مراد شرکِ خفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کو چھوڑنا۔

بدفالی پر عمل کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من ردته الطيرة من حاجة، فقد أشرك "، قالوا: يا رسول الله، ما كفارة ذلك؟ قال: " أن يقول أحدهم: اللهم لا خير إلا خيرك، ولا طير إلا طيرك، ولا إله غيرك" »[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جس کو بدفالی کسی کام سے روکے اس نے شرک کیا، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ فرمایا یہ کلمات: اے میرے مولیٰ کوئی خیر نہیں مگر وہی جو تو نے مقدر کیا ہے، اور فال میں کچھ نہیں مگر وہی جو تو نے مقدر کیا ہے، اور تیرے سوا کوئی پروردگار نہیں۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ جو شخص بدفالی کی وجہ سے کسی عمل سے رک جائے وہ مشرک ہے، خود بدفالی شرک نہیں بلکہ ذریعہ شرک ہے، اس میں مناط شرک یہ ہے کہ بدفالی کو فائدہ حاصل کرنے یا نقصان دفع کرنے کے لئے موثر بالذات سمجھا جائے جیسا کہ اس بدفالی کے عادی مشرکین مکہ کے متعلق نقل کیا جاتا ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] مسند أحمد ط الرسالة ج١١ص٦٢٣

فلم يكن المراد بذلك الشرك الكفر بالله تعالى، ولكن كان المـراد بـه أن شيئا تولى الله عز وجل فعله، قيل فيه: إن شئت فعله كان كذا مما يتطير به، فمثل ذلك الشرك المذكور في الحديث الأول هـو مـن جنس هذا الشرك لا من الشرك بالله تعالى الذي يوجب الكفر به.[1]

ترجمہ: ان روایات میں شرک سے مراد حقیقی شرک نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک چیز جس کے کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالی نے لی ہےاس کے بارے میں کوئی کہےاگرآپ کرناچاہےتومعاملہ یوں ہوگاتویہاں شرک سے مرادذریعہ شرک مراد ہے(یعنی کہ یہ شرک کاذریعہ اورواسطہ بن سکتاہے) حقیقی شرک مرادنہیں۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ بدفالی کوشرک کہنے کی توجیہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لِأَن الْعَرَب كَانُوا يَعْتَقِدُونَ مَا يتشاءمون بِهِ سَببا مؤثراً فِي حُصُـول الْمَكْرُوه وملاحظة الْأَسْبَاب فِي الْجُمْلَة شرك خَفِي فَكيف إِذا انْضَمَّ إِلَيْهَا جَهَالَة وَسُوء اعْتِقَـاد فَمـن اعْتقـد أَن غـير الله ينفـع أَو يضرـ اسْتِقْلَالا فقد أشرك[2]

ترجمہ: اہل عرب جس چیز سے بدشگون لیتے تھے، خلافِ طبع امور میں اس کوایک مؤثر سبب سمجھتے تھےاور اسباب کو مؤثر سمجھنا ہی شرکِ خفی ہے، پھر یہ کیسے شرک نہیں ہوگا، جب اس کے ساتھ جہالت اور بداعتقادی بھی ہوں۔ پس جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ غیر اللہ بذاتِ خود نفع یاضرر پہنچاسکتاہے، تواس نے شرک کیا۔

---

[1] شرح مشكل الآثار،باب بيان مشكل ما روي عنه عليه السلام فيمن حلف بغير الله تعالى ما حكمه في ذلك؟ ،ج٢ص٢٩٦.

[2] التيسير بشرح الجامع الصغير،ج٢ص ١٢٤

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس جیسی ایک روایت کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(الطيرة شرك) : أي لاعتقادهم أن الطيرة تجلب لهم نفعا أو تـدفع عنهم ضرا، فإذا عملـوا بموجبهـا فكـأنهم أشركـوا بـالله في ذلـك ويسمى شركا خفيا. وقال شارح: يعني من اعتقد أن شـيئا سـوى الله ينفع أو يضر بالاستقلال فقد أشرك أي شركا جليا.۱

ترجمہ: اس اعتقاد کی وجہ سے کہ یہ شگون ان کو نفع پہنچا سکتا ہے یا ان سے ضرر کو دور کر سکتا ہے اس وجہ سے اسے شرک کہا گیا ہے، لہذا جب کوئی اس شگون کے مطابق عمل کریں، یہ ایسا ہوا گویا کہ انہوں نے اللہ تعالی کے ساتھ (نفع و ضرر پہنچانے میں اس شگون کو) شریک ٹھہرایا اسے شرکِ خفی کہا جاتا ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ کوئی چیز اللہ تعالی کے ماسِوا بذاتِ خود نفع یا ضرر پہنچا سکتا ہے اس نے شرک یعنی شرکِ جلی کیا۔

ریاء شرک ہے

بعض روایات میں ریاء کو شرک فرمایا گیا ہے اسی طرح بعض دیگر روایات میں ریاء کے طور پر نماز روزہ اور صدقہ دینے والے کو مشرک قرار دیا گیا ہے، مثلاً امام طبرانی رحمہ اللہ کی "معجم کبیر" میں ہے:

---

۱ مرقاة المفاتيح، باب الفأل والطيرة، ج۷ص ۲۸۹۷۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے عون المعبود اور علامہ مبارکفوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی میں اس تشریح کو تائید و تقریر کے طور پر نقل فرمایا ہیں۔

عن شداد بن أوس، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: «من صلى يرائي فقد أشرك، ومن صام يرائي فقد أشرك، ومن تصدق يرائي فقد أشرك».[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے لوگوں کو دکھانے کے نماز پڑھی، روزہ رکھا، یا صدقہ دیا بے شک اس نے شرک کیا۔

ریاء کی عموماً صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو معبود واحد سمجھنے کے باوجود مال وجاہ وغیرہ کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنے کے لئے کسی کو اپنی عبادت دکھاتا یا بتاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حد تک اس میں شرک کا مفہوم متحقق نہیں ہوتا کیونکہ ریاء کنندہ جس شخص کو اپنی عبادت دکھانا چاہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یا افعال میں بالکل بھی شریک نہیں سمجھتا اسی لئے تو بعض مقامات پر اس کو شرک خفی بلکہ اخفی قرار دیا گیا، لہٰذا مطلقِ ریاء شرک اکبر نہیں ہے اور محض اس کی وجہ سے کسی کو کافر ومشرک قرار دینا جائز نہیں ہے، یہ روایات یا تو شرک لغوی پر محمول ہیں کہ عبادت اور افعال بندگی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کسی کا لحاظ رکھا گیا، یا شرک عملی پر حمل کرلینا چاہیئے کہ مشرکین بھی ریاء و کھاوے کے لئے عبادات کرتے تھے، اس میں مناطِ شرک (اکبر) یہ ہے کہ غیر اللہ کو مستحقِ عبادت سمجھ کر اس کو بھی معبود ٹھہرایا جائے۔

---

[1] المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: ٧١٣٩، ج٧ص ٢٨١.

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ "قد اشرک" کی شرح میں لکھتے ہیں:

(فقد أشرك) وذلك هو الشرك الأصغر كما ورد في الحديث.[1]

ترجمہ: (اس نے شرک کیا) اور یہ ادنی درجہ کا شرک ہے، جیسا کے حدیث میں وارد ہے۔

غیر اللہ سے استمداد واستعانت

غیر اللہ سے مدد طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، وہ صورتیں اور ان کے احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

پہلی صورت: غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح ذاتی طور پر قادر سمجھ کر اس سے کوئی مدد طلب کی جائے یہ صورت بالاتفاق شرک ہے، واضح رہے کہ "اللہ تعالیٰ کی طرح ذاتی طور پر قادر" سمجھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر ہے اسی طرح کسی کو قادر سمجھنا شرک ہے اور اگر اس سے کم چیزوں پر قادر سمجھا جائے تو شرک نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت ذاتی ہے یعنی کسی سے مستفاد نہیں ہے اسی طرح غیر اللہ کو بھی قادر سمجھا جائے چاہے مقدورات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مساوات کا اعتقاد نہ ہو۔

دوسری صورت: امور عادیہ میں کسی سے مدد طلب کی جائے مثلاً کسی سے پانی، چائے، قلم اور دوات وغیرہ مانگے، اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

---

[1] لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، باب الرياء والسمعة، ج٨ص٥٣٤

تیسری صورت: اگر کسی نبی کے ہاتھ معجزہ کے طور پر، یا کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر کرامت کے طور پر کسی کے ساتھ امور عادیہ میں کوئی مدد کی جائے یا اس طور پر کسی کا کوئی ایسا کام ہو جائے جو انسانی طاقت سے باہر ہو تو اس میں بھی کلام نہیں ہے۔

چوتھی صورت: غیر اللہ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جملہ یا بعض امور غیر عادیہ کی قدرت تامہ کاملہ دے رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ مستقل ہے اور جو کوئی جہاں کہیں اس سے مدد طلب کرے وہ اس کو سنتا سمجھتا ہے اور جب چاہے اس کی مدد کرتا ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ایسا اعتقاد شرک ہے اور اس اعتقاد کے مطابق کسی سے استمداد واستعانت کرنا ناجائز وحرام ہے اور جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے کہ عام مشرکین مکہ کے شرک کی یہی صورت تھی، وہ اپنے معبودان باطلہ کو بغیر اعطائے الٰہی خود قادر بالذات نہیں مانتے تھے، قدرت ذاتی تو کیا خود ان معبودان کے وجود ذاتی کے بھی قائل نہ تھے چنانچہ تلبیہ میں وہ اس کا برملا اظہار کرتے تھے جس کی تفصیل غلط استدلال کے ضمن میں ذکر کی جائیگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں مناط شرک دو باتیں ہیں:

الف: غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح قادر بالذات سمجھنا۔

ب: غیر اللہ کو امور غیر عادیہ میں مستقل قادر سمجھنا، گو عطائی طور پر ہو۔

استقلال کا معنٰی

غیر اللہ کو مستقل طور پر متصرف جاننا یا نفع وضرر پہنچانے پر قادر خیال کرنا ناجائز اور شرک ہے، یہ بات تو اکثریت کے نزدیک مسلم ہے البتہ استقلال کا کیا معنٰی ہے؟

اس میں غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ استقلال کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ تصرف خانہ زاد اور ذاتی ہو اس میں کسی کے داد و دہش کا دخل نہ ہو لہٰذا اگر کوئی اس معنیٰ میں غیر اللہ کو مستقل متصرف یا مدبر سمجھتا ہے تو شرک ہے ورنہ نہیں۔

حالانکہ استقلال کا یہ مفہوم کسی طرح درست نہیں ہے، "غلط استدلالات کے ضمن میں "ذاتی وعطائی" کے عنوان سے اس کی بقدرِ کفایت تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں استقلال کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس معنیٰ میں متصرف یا مدبر سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پورے عالم یا اس کے کسی خاص شعبہ میں تدبیر و تصرف کا کلی اختیار تفویض فرمایا ہے جس کے بعد وہ جب چاہے اپنے اس اختیار کو استعمال کرے اور اس میں وہ اللہ تعالیٰ کے مشیت خاصہ اور اذن جزئی کا محتاج نہیں ہے، یہ استقلال کا معنیٰ ہے اور اس معنیٰ میں کسی کو متصرف و مدبر سمجھنا شرک ہے، اور جیسا کہ پہلے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ استقلال بمعنیٰ ذاتی لیا جائے تو اس تشریح کے ساتھ مشرکین کی کوئی معتد بہ جماعت پوری دنیا کی تاریخ میں گزری نہیں ہے، چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ وغیرہ کئی نامور متکلمین نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ ایسا کوئی مشرک دنیا میں نہیں گزرا جو اللہ تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے مستقل خدا کو موجود سمجھتا ہو۔ امام رازی فرماتے ہیں:

اعلم أنه ليس في العالم أحد يثبت لله تعالى شريكا يساويه في الوجوب والقدرة والعلم والحكمة، لكن الثنوية يثبتون إلهين،

أحدهما حكيم يفعل الخير، والثاني سفيه يفعل الشر، وأما الاشتغال بعبادة غير الله. ففي الذاهبين إليه كثرة.[1]

ترجمہ: اس کائنات میں ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قدرت، علم، حکمت میں کسی کو برابر سمجھ کو شریک کرتا ہو بظاہر موجود نہیں، البتہ مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں: ایک ان میں حکیم ہے جو خیر کے کام کرتا ہے، دوسرا بے وقوف ہے جو شر کے کام انجام دیتا ہے، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر مختلف چیزوں کی عبادت کرنے والوں کی کثرت ہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ مشرکین کی قسمیں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنهم من اعتقد أن الله هو السيد وهو المدبر، لكنه قد يخلع على بعض عبيده لباس الشرف والتأله، ويجعله متصرفا في بعض الأمور الخاصة، ويقبل شفاعته في عباده بمنزلة ملك الملوك يبعث على كل قطر ملكا، ويقلده تدبير تلك المملكة فيما عدا الأمور العظام.[2]

ترجمہ: بعض مشرکین کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا انتظام کرنے والا ہے، البتہ بسااوقات اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو نوازتے ہوئے اس بعض خاص کاموں کا اختیار دے کر اس کی سفارش قبول فرماتے ہیں، اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی بڑا بادشاہ ہر خطہ زمین کا جدا جدا نگران مقرر کرتا ہے اور اسے بڑے اہم کاموں کے علاوہ اس جگہ کی دیکھ بھال کا انتظام سپرد کرتا ہے۔

---

[1] مفاتيح الغيب، سورة الأنعام، ج١٣ ص٣٠.

[2] حجة الله البالغة، باب أقسام الشّرك، ج١ ص١١٩.

قرآن کریم میں مشرکین اور ان کے شرکیات واستدلال کے سلسلہ میں جو اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے اس سے بھی یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے مثلاً قرآن کریم میں ہے:

{قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا} [الإسراء: ٥٦]

ترجمہ: کہہ دو انھیں پکارو جنہیں تم اس کے سوا سمجھتے ہو وہ نہ تمہاری تکلیف دور کر سکیں گے اور نہ اسے بدلیں گے۔

یہ اور اس طرح کی متعدد آیات میں مشرکین کے معبودان باطلہ سے نفع وضرر وغیرہ اختیارات وتصرفات کی ملک یا قدرت کی نفی کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ ملک یا قدرت کے لئے ذاتی ہونا لازم نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو مالک یا قادر کہنا ہی غلط ہو گا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص غیر اللہ کو اس معنیٰ میں متصرف ومدبر سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض واختیار ملنے کے بعد وہ تصرف وتدبیر میں مشیت خاصہ کا محتاج نہیں رہتا، بالفاظ دیگر اس کا تصرف غیر مقید بالاذن الجزئی ہو تو ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے، البتہ اگر کوئی شخص ذاتی یعنی غیر عطائی طور پر کسی غیر اللہ کو متصرف ومدبر سمجھتا ہے تو دلالۃ النص کے طور پر بطریقِ اولیٰ وہ مشرک قرار پائے گا۔

"تقویۃ الایمان" میں ہے:

فمن أثبت هذا التصرف المطلق لأحد منهم، وطلب منه حاجاته، وقرب القرابين والنذر لأجل ذلك، أو استصرخه في نازلة، كان

مشركا، ويقال لهذا النوع " الإشراك في التصرف " سواءاعتقد أنهم يقدرون على ذلك بأنفسهم، أو اعتقد أن اللهّ سبحانه وتعالى وهبهم هذه القدرة، وخلع عليهم هذه الكرامة.١

ترجمہ: جو غیر اللہ سے کسی کے لئے مطلق تصرف (کلّی اختیار) کو ثابت کرے، اور اس سے اپنی حاجتیں مانگے، اور اسی کے نام نذرانے پیش کرے یا اس کو مصیبت میں پکارے، وہ مشرک ہو گا۔ اس قسم کو اشراک فی التصرف کہتے ہیں، چاہے یہ عقیدہ ہو کہ اسے اس تصرف پر ذاتی طور پر قدرت حاصل ہے، یا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو یہ قدرت عطا کی ہے اور اسے اس شرف سے سرفراز فرمایا ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"آنکہ لفظ علم ذاتی وتصرف استقلال ومثل آنکہ در کلام بعض علماء مثل مولانا شاہ ولی اللہ وشاہ عبد العزیز نسبت بکفار واقع شدہ مراد ازاں ہمیں اثبات قدرت واختیار از درگاہ پروردگار ست کہ موجب شرک کفار نابکار ست، ورنہ مشرکین عرب ذات وصفات اصنام را مخلوق خدا و قدرت واختیار آنہا عطا فرمودہ جناب کبریا مید انستند کما مر تحقیقہ، ووجہ اطلاق لفظ استقلال ظاہر است زیرا کہ مشرکین بیدین آں افعال خاصہ الہیۃ را بہ سبب اعتقاد وتفویض قدرت واختیار در افعال اختیاریہ واعمال مقدوریہ داخل نمودند وبر افعال اختیاریہ بندگان جمیع احکام استقلال جاری می شود واستحقاق مدح وذم طاری گو کہ ہمہ افعال عباد بر قوت قودرت خداداد مبنی باشد۔"٢

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] رسالة التوحيد المسمى بـ تقوية الإيمان،ص: ٥٧.

[2] تالیفات رشیدیہ، ص١٧٩

"حاصل اس اعتقاد تاثیر وعدم اعتقاد تاثیر کے معیار کا فرق یہ ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے کسی خاص مخلوق کو جو اس کا مقدر رہے، کچھ قدرت مستقلہ نفع وضرر کی اس طرح سے عطا فرمائی ہے کہ اس کا اپنے معتقد و مخالف کو نفع وضرر پہنچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں، گو اگر روکنا چاہے پھر قدرت حق ہی غالب ہے، جیسے سلاطین اپنے نائبین واحکام کو خاص اختیارات اس طرح دیدیتے ہیں کہ ان کا اجراء اس وقت سلطان اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا گو روکنا چاہے تو سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا۔ سو یہ عقیدہ تو اعتقاد تاثیر ہے اور مشرکین عرب کا اپنے الہہ باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا۔"[1]

کیا تقلید شرک ہے

تقلید کا معنٰی یہ ہے کہ غیر منصوص مسئلہ میں شارع کا منشا اور شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے کسی مجتہد پر اعتماد کیا جائے اور وہ اپنے اجتہاد کے نتیجہ میں جس بات کو حکم شریعت سمجھے اس کو حکم شرعی سمجھ کر عمل کیا جائے اور اس پر مجتہد سے دلیل کا مطالبہ نہ کیا جائے، اگر ہر مسئلہ میں کسی معین مجتہد کی اس طرح تقلید کی جائے تو تقلید شخصی ہے اور اگر کئی مجتہدین کی تقلید ہو تو تقلید غیر شخصی ہے، ماضی قریب میں ہندوستان کے اندر جب ترک تقلید کا فتنہ ابھر کر سامنے آیا تو بعض غالی مزاج افراد نے تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک وکافر قرار دیا، مثلاً ایک مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابو الحسن اپنی مشہور کتاب "الظفر المبین " میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] حاشیۂ بوادر النوادر، ص ٧٩٦

"اور اس بات میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ تقلید خواہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی ہو خواہ ان کے سوا کسی اور کی، شرک ہے۔"[۱] بعض معاصرین نے اس کو شرک فی الاتباع، بعض نے شرک فی الحکم قرار دیا، بعض نے ائمہ مجتہدین کو مقلدین کے حق میں یہودیوں کے احبار ورہبان کی طرح قرار دیا اور اسی بناء پر تقلید کو شرک اور ائمہ مجتہدین کو مقلدین کے حق میں ارباباً من دون اللہ ٹھہرایا۔

تقلید میں مناط شرک

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی چیز کے متعلق یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ یہ شرک ہے یا نہیں؟ مناط شرک کو دیکھنا ضروری ہے، تقلید کا معنیٰ جو شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے اس کے مطابق اس میں شرک ہونے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے اس لئے محض اس کی بناء پر سواد امت کو مشرک وکافر ٹھہرانا بڑی جرات کی بات ہے، تقلید میں اگر کوئی چیز مناط شرک ہو سکتی ہے تو وہ وہی طریقہ تقلید ہے جو یہودیوں نے اپنے احبار ورہبان کے ساتھ اختیار کیا تھا، اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کے مقابلہ میں کسی کی بات کو حجت سمجھ کر اس کے مطابق کسی چیز کو شرعی حلال وحرام سمجھا جائے کہ جس چیز کو متبوع جائز کہے اس کے بارے میں قیامت میں باز پرس نہیں ہو گی اور جس چیز کو وہ ناجائز وحرام کہے، وہ شرعی احکام کی خلاف ورزی کی طرح گناہ اور موجب مواخذہ جرم ہے، یہودیوں کا اپنے احبار ورہبان کے ساتھ یہی معاملہ تھا۔

---

[۱] الظفر المبین، ص ۲۰

یاد رہے کہ یہ حوالہ اصل مصدر سے نہیں دیا گیا، بلکہ بعض دیگر کتابوں کے اعتماد پر لکھا گیا ہے۔

"سننِ ترمذی" میں ہے:

عن عدي بن حاتم، قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم وفي عنقي صليب من ذهب. فقال: يا عدي اطرح عنك هذا الوثن، وسمعته يقرأ في سورة براءة: {اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله}، قال: أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم، ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئا استحلوه، وإذا حرموا عليهم شيئا حرموه.[1]

ترجمہ: ترجمہ: حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے میرے گردن میں سونے کا صلیب دیکھ کر فرمایا: اے عدی! اس بت کو خود سے دور کرو، نیز میں نے سنا کہ آپ ﷺ سورۃ براءت کی یہ آیت پڑھ رہے تھے [انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و رھبان کو رب بنایا] فرمایا: ایسا نہیں کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے، بلکہ عبادت سے مراد یہ ہے کہ جب وہ ان کے لئے کوئی چیز حلال قرار دیتے تھے تو یہ بھی اس کو حلال سمجھنے لگتے تھے، اور جب ان پر کسی چیز کو حرام کرتے تھے، تو یہ بھی اس کو حرام سمجھتے تھے۔

اس روایت کے بعض طرق میں اس بات کی صراحت بھی ہے کہ یہودی لوگ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اپنے احبار و رہبان کی بات درست مانتے تھے چنانچہ اگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے قانون میں حلال ہوتی لیکن احبار اس کو حرام بتلاتے تو یہودی لوگ اپنے احبار کی تقلید میں اس کو حرام ہی سمجھتے تھے اسی طرح اگر عند اللہ حرام چیز کو وہ لوگ حلال بتلاتے تو یہ مقلدین اس کو حلال ہی اعتقاد کرتے تھے، بہر

[1] سنن الترمذي: ابواب تفسير القران، سورة التوبة ج٥ ص ١٢٩

صورت ان کے حلال و حرام سمجھنے کا معیار اپنے احبار ورہبان کا قول تھا نہ کہ حکم الٰہی،

اور ظاہر ہے کہ تحلیل و تحریم کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے غیر اللہ کے ذاتی حکم سے کوئی چیز حلال و حرام نہیں ہوتی، قرآن کریم میں ہے:

{وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا} [الكهف: ٢٦]

ترجمہ: اور نہ ہی وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔

حضرات مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے، سید المفسرین امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(أربابا من دون الله) ، يعني: سادةً لهم من دون الله، (٣) يطيعونهم في معاصي الله، فيحلون ما أحلُّوه لهم مما قد حرَّمه الله عليهم، ويحرِّمون ما يحرِّمونه عليهم مما قد أحلَّه الله لهم۔[١]

ترجمہ: مشرکین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے بڑوں کی اطاعت کر کے ان کے جائز کردہ چیزوں کو جائز اور حرام کردہ کو حرام سمجھتے حالانکہ وہ اکثر ان حلال چیزوں کو بھی حرام قرار دیتے جو اللہ نے حلال قرار دیے تھے۔

اس کے بعد مشہور تابعی مفسر ابو العالیۃ سے احبار کی اس ربوبیت کی تفصیل وطریقہ کار بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

عن الربيع بن أنس، عن أبي العالية: (اتخذوا أحبارهم ورهبانهم

---

[١] تفسير الطبري = جامع البيان ج١٤ص ٢٠٩

أربابًا) ، قال: قلت لأبي العالية: كيف كانت الرُّبوبية التي كانت في بني إسرائيل؟ قال: "ما أمرونا به ائتمرنا، وما نهونا عنه انتهينا لقولهم".[١]

ترجمہ: ربیع بن انس حضرت ابو العالیہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ربوبیت کا عقیدہ یہ تھا کہ ان کے بڑے انہیں جو حکم دیتے ان کی کہنے کی وجہ اس کو مان جاتے تھے اور جس سے منع کرتے تھے اس سے منع ہو جاتے تھے۔

حضرت ابو العالیۃ رحمہ اللہ کے اس قول "لقولہم" سے واضح ہوا کہ یہودیوں کے جائز ناجائز سمجھنے کا دار مدار اپنے احبار کا قول ہوا کرتا ہے اسی کی بناء پر حلال و حرام کے فیصلے کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس کے شرک ہونے میں شبہ نہیں ہے لیکن ائمہ اربعہ کی غالب مقلدین کا یہ حال نہیں ہے وہ نہ تو اپنے متبوعین کے ذاتی اقوال کی وجہ سے تحریم و تحلیل کے فیصلہ کرتے ہیں اور نہ ہی محض ان کی آراء کو کوئی شرعی حجت تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان کی بات پر اعتماد و عمل کرتے ہی اس لئے ہیں کہ انہوں قرآن و سنت کے ذخیرہ کو اچھی طرح سوچا سمجھا ہے اور اپنی خداداد صلاحیت واستعداد کی وجہ سے دوسروں کی بنسبت ان کے متعلق حسن ظن یہی ہے کہ شریعت کے اصل منشا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل حق تک ان کی زیادہ رسائی ہو چکی ہو گی، اس کے بعد جس بات پر مقلد عمل کرتا ہے تو وہ حکم شرعی سمجھ کر ہی کرتا ہے۔ اگر کسی جگہ مذہب وغیرہ کا لفظ ذکر بھی ہوتا ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب

---

[١] تفسير الطبري = جامع البيان ج١٤ص ٢١٤

ہے یاامام مالک کے مذہب کے مطابق فلاں چیز جائز ہے تو اس کا مفہوم بھی یہی ہوتا ہے کہ شریعت کے حکم تک پہنچنے کا ذریعہ امام ابو حنیفہ یاامام مالک کو بنایا، کہ ان کی تحقیق کی روشنی میں شرعی حکم تک رسائی ہو جائے اور اسی کے مطابق عمل کیا جائے، اس سے شریعت کے متوازی کوئی حکم و قانون ہر گز مراد نہیں ہوتا بلکہ خود یہ شریعت تک پہنچنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہی ہے۔

اطاعتِ رسول ﷺ کیوں شرک نہیں

یہ تشریح و تفصیل اس لئے بھی متعین ہے کہ اگر مطلقِ اطاعت شرک یا موجب شرک ہوتی تو خود حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کیونکر جائز ہوتی! کیونکہ جو چیز شرک ہوتی ہے اس میں نبی و غیر نبی کا کوئی فرق نہیں ہوتا، بلکہ مطلقاً غیر اللہ کے ساتھ اس کا تعامل شرک کہلاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ایک رویہ اگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برتا جائے تو شرک نہ ہو اور ان کے علاوہ کسی امتی کے ساتھ وہی کچھ رویہ اختیار کیا جائے تو شرک بن جائے، جو چیز شرک ہے وہ کسی بھی غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک ہی رہے گا، حالانکہ خود قرآن وحدیث کے سینکڑوں نصوص اس بات پر دال ہیں کہ حضور ﷺ کی اطاعت ضروری ہے اور ہر مسلمان اس کا پابند ہے مگر پھر بھی اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں کیونکہ حضور ﷺ کی اتباع واطاعت اسی لئے کی جاتی ہے کہ ان کا قول مبارک ہو یا فعل و تقریر، وہ اپنی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ وحی الٰہی کی روشنی ہی میں ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى [النجم: ٣،٤]

ترجمہ :اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتاہے یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جواصولیین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو حجت تسلیم کر کے اس کی تقلید کرتے ہیں ان کے متعلق بھی کسی غلط فہمی یا بد گمانی کا شکار نہ ہوناچاہئے کیونکہ وہ شرعی حکم تک رسائی کی خاطر اس طرح کرتے ہیں،ان اقوال میں مدرک بالرای اور غیر مدرک بالرای کافرق کرنااس کاواضح قرینہ ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومنها أنهم كانوا يتخذون أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله تعالى بمعنى أنهم كانوا يعتقدون أن ما أحله هؤلاء حلال لا بأس به في نفس الأمر وأن ما حرمه هؤلاء حرام يؤاخذون به في نفس الأمر، ولما نزل قوله تعالى: {اتخذوا أحبارهم ورهبانهم} سأل عدي بن حاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال: " كانوا يحلون لهم أشياء، فيستحلونها، ويحرمون عليهم أشياء، فيحرمونها. وسر ذلك أن التحليل والتحريم عبارة عن تكوين نافذ في الملكوت أن الشيء الفلاني يؤاخذ به أو لا يؤاخذ به، فيكون هذا التكوين سببا للمؤاخذة وتركها، وهذا من صفات الله تعالى۔[1]

ترجمہ:اہل کتاب کااللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنے احبار ورھبان کورب بنانے کامطلب یہ تھاکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جوکچھ ان احبار ورھبان نے حلال ٹھہرایاوہ حقیقت

---

[1] حجة الله البالغة: باب أقسام الشرك، ج۱ص۱۲۱

میں بھی حلال ہو گیا، جس کے ارتکاب میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے اور جس کو حرام قرار دیا اس کو حقیقت میں حرام اور قابلِ مؤاخذہ سمجھتے تھے، جب اللہ تعالی کا یہ فرمان نازل ہوا اتخــذوا أحبــارهم ورهبــانهم تو حضرت عدی بن حاتمؓ کے استفسار پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ وہ ان کے لئے کچھ چیزوں کو حلال قرار دیتے تو وہ ان کو حلال ہی سمجھنے لگتے تھے اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دیتے تو ان کو حرام ہی سمجھنے لگتے تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور حضرات ائمہ مجتہدین کی طرف جو تحلیل و تحریم کی نسبت کی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے:

وأما نسبة التحليل والتحريم إلى النبي صلى الله عليه وسلم فبمعنى أن قوله أمارة قطعية لتحليل الله وتحريمه وأما نسبتها إلى المجتهدين من أمته فبمعنى روايتهم ذلـك عـن الشرع مـن نـص الشـارع أو استنباط معنى من كلامه.[١]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کی طرف جو تحلیل و تحریم کی نسبت کی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا قول اللہ تعالی کی تحلیل و تحریم کی ایک قطعی نشانی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی امت کے مجتہدین کی طرف جو نسبت کی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شارع کے نص سے بطورِ شرع کے نقل کرتے ہیں یا شارع کے کلام سے مطلوب معنی کا استنباط کرتے ہیں۔

---

[١] حجة الله البالغة: باب أقسام الشرك، ج١ص١٢١

گویا مسئلہ تقلید واطاعت کے باب میں مناط شرک کسی کی اطاعت مستقلہ ہے جس کی تفصیل ابھی گزری۔

قاضی محمد اعلیٰ تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وينبغي أن يعلم هنا بأنّ عبادة غير الله تعدّ شركا وكفرا، فكذلك إطاعة غيره سبحانه على وجه الاستقلال كفر. وهذا يعني أنّه لا يعدّ ذلك الغير مبلّغا لحكم الله، فيطيعه ويرى اتّباعه لازما، ومع معرفته بأنّ حكم الغير مخالف للحكم الإلهي فإنّه يستمرّ في ضلاله، ولا ينزع عن عبادة غيره، وهذا نوع من اتخاذ الأنداد كما ورد في القرآن قوله سبحانه: اتَّخَذُوا أَحْبارَهُمْ وَرُهْبانَهُمْ أَرْباباً مِنْ دُونِ اللهِّ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ.[۱]

ترجمہ: یہاں پر یہ بات سمجھنا مناسب ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کفر وشرک گردانا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے غیر کی مستقلا فرمانبرداری بھی کفر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس غیر کو حکمِ خداوندی کا مبلّغ نہیں سمجھے کہ (بصورتِ مبلّغ ماننے کے) اس کی اطاعت کرے اور اس کی اتباع کو لازم سمجھے، اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا حکم، حکم خداوندی کے مخالف سمجھ کر پھر بھی اپنی گمراہی پر ڈٹا رہتا ہے، اور غیر کی عبادت نہیں چھوڑتا اور یہ ایک قسم کی دیگر الٰہہ کا بنانا ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر علماء ورھبانا اور مسیح بن مریم کو رب بنایا۔

سراج الہند حضرت امام شاہ عبد العزیز دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[۱] کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، حرف الشين، ج۱ص۱۰۲۵.

"یہاں جاننا چاہئے کہ جس طرح غیر خدا کی عبادت قطعاً شرک وکفر ہے غیر خدا کی اطاعت بھی بالاستقلال کفر ہے۔اور غیر کی بالاستقلال اطاعت کا معنٰی یہ ہے کہ اسے اللہ تعالٰی کے احکام کا مبلغ نہ سمجھتے ہوئے اس کی اطاعت کی رسی گردن میں ڈالے اور اس کی تقلید لازم سمجھے اور اس کا حکم اللہ تعالٰی کے حکم کے مخالف ظاہر ہونے کے باوجود اس کی اتباع سے منہ نہ پھیرے۔اور یہ بھی شریک ٹھہرانے کی ایک قسم ہے جس کی آیت "اتّخذوااحبارہم ورہبانہم أرباباً من دون اللہ" میں مذمت کی گئی ہے۔" ۱

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"اطاعت بجز خداوند عالم کےاور کسی کی جائز نہیں ۔ہاں جیسے حکام کی اطاعت، بشر طیکہ وہ اپنے بادشاہ کے ماتحت ہو کر حکمرانی کریں، آثار بغاوت نمایاں نہ ہو، عین بادشاہ کی اطاعت ہے، اس لئے کہ حکام ماتحت کے احکام بادشاہ ہی کے احکام ہوتے ہیں، ایسے ہی علماء وانبیاء اور علماء کی اطاعت، بشر طیکہ علماء بمقتضی منصب نیابت، حکم ربانی کریں، خدا ہی کی اطاعت ہے اور ان کے احکام عین خدا ہی کے احکام ہیں۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اطاعت یعنی فرماں برداری بشر طیکہ اپنے حاکم وفرمان روا کو نفع وضرر کا مالکِ حقیقی اور محاسن ومحامد کا منبعِ حقیقی سمجھے، عبادت اور بندگی ہے اور جو یہ بات نہ ہو یعنی اس کو مالکِ نفع وضرر بطرزِ مذکور اور منبع محامد ومحاسن بطرز مشارالیہ نہ سمجھے تو عبادت نہیں۔" ۲

سرسید احمد خان کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

---

۱ تفسیر عزیزی، ج۱ص ۲۷۲

2 حجۃ الاسلام درضمن مجموعہ مقالات حجۃ الاسلام، ج9ص322

"""یہ کہنا کہ دوسروں کے قول کو قابل تسلیم سمجھنا شرک فی النبوۃ ہے" علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ یہ بات جب ہے کہ کسی دوسرے کو قطع نظر اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا سمجھے کہ اس کا قول وفعل بہر نہج واجب الاتباع ہے، سو اس قسم کا معاملہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ کرے جیسا تابعان رسوم آباء بہ مقابلہ سنن مرسلین باوجود تیقن ثبوت سنت ویقین بے سندی رسوم آباء کیا کرتے ہیں، وہ شخص بے شک مصداق شرک فی النبوۃ ہے۔" ١

مسئلہ توسل میں مناط شرک

توسل کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی برگزیدہ نیک بندے کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے اپنی کوئی حاجت مانگی جائے کہ مثلاً اے اللہ: اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے میری فلاں حاجت پوری فرما، بعض اوقات اس سے متعلق بھی یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ یہ شرک ہے جس شخص کے وسیلہ سے دعاء کی جاتی ہے اس کو گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا گیا، حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور بے جا ہے، اس میں اگر کوئی مناط شرک ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ:

الف: اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنے کے بجائے براہ راست اسی بزرگ سے کوئی اپنی حاجت روائی کی دعاء مانگی جائے اور وہ حاجت بھی جو مافوق الاسباب ہو۔

ب: جس شخص کے وسیلہ یا طفیل سے دعاء مانگنی مقصود ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایسا شفیع سمجھا جائے جو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے اپنا کام ضرور پورا کروائے اور اللہ تعالیٰ اس کے سامنے گویا مجبور ہو کہ چاہے نہ چاہے اس کی وساطت سے کی

---

[1] تصفیۃ العقائد، ص ١٢، ضمن مجموعہ مقالات حجۃ الاسلام، ج ٢ ص ٣٣٣

جانے والی دعاء کو منظور فرمائے، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں یا اس جیسی صورتیں عام مسلمانوں میں رائج نہیں ہیں اس لئے اس کو علی الاطلاق شرک قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہے، البتہ اگر کہیں توسل کے جواز میں بے جا غلو سے کام لیا جائے تو اعتدال کے دائرہ میں رہتے ہوئے مناسب طریقہ سے اس کی اصلاح کی جائے۔

وضعی قوانین بنانا

قرآن وسنت سے ہٹ کر اگر بادشاہ مملکت اپنی رعایا کے لئے خود کوئی قانون بنائے یا پارلیمنٹ وغیرہ کی شکل میں کچھ افراد مل کر ایسی قانون سازی کریں تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بھی شرک ہے یا نہیں؟ خلافت کا سایہ ختم ہو جانے کے بعد سے اب تک اکثر اسلامی ممالک میں کلی یا جزوی طور پر ایسے ہی قوانین نافذ ہیں، ان قوانین کی شرعی حیثیت کے متعلق بہت اختلاف ہوا جس کی وجہ سے امت مرحومہ کو بہت نقصان اٹھانا پڑا، بعض لوگوں نے اس طرح قانون سازی کرنے کو مطلقاً شرک قرار دیا اس لئے جو لوگ اس میں براہ راست شریک ہیں یا اس پر راضی ومطمئن ہیں ان سب کو مشرک کہا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت حاکمیت میں ارکان پارلیمنٹ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے رہے ہیں، بعض لوگوں نے اس کے برعکس اس طرح قانون سازی کو عین اسلامی منشا قرار دیا، دونوں فریق کے اپنے استدلالات ہیں یہاں ان کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں، یہاں صرف اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ وضعی قوانین میں مناط شرک وہی ہے جو تقلید کی بحث میں ذکر گزر گیا کہ اگر کوئی شخص بادشاہ مملکت یا ارکان پارلیمنٹ کے طے کردہ قانون کی مستقل طور پر اطاعت کرتا ہے تو یہ شرک فی الحکم کا موجب ہے اسی طرح اگر کوئی بادشاہ یا پارلیمنٹ اپنے

لئے علی وجہ الاستقلال یہ حق ثابت مانتا ہے تو بھی شرک ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو شرک نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ جب شرک نہیں تو اس میں مزید کوئی شرعی قباحت ہے یا نہیں؟ اس میں کچھ ضروری تفصیل ہے جس کے لئے اس راقم الحروف کی کتاب "اصولِ تکفیر" کا مطالعہ کرنا مناسب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فصل چہارم:
شرک فی العبادۃ اور بعض دیگر متعلقہ مسائل
شرک فی العبادۃ کی تفصیل و تطبیق

شرک فی العبادۃ:

اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو مستحقِ عبادت سمجھنا اور اس کی عبادت کرنا حرام و شرک ہے، تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہے کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کی بُتوں کی بھی عبادت کیا کرے تو اس پر یہ آیات مبارکہ نازل ہوئی:

قُلْ أَفَغَيْرَ اللهِّ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ بَلِ اللهَّ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ [الزمر: ٦٤ - ٦٦]

ترجمہ: کہہ دو اے جاہلو کیا مجھے اللہ کے سوا اور کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ۔اور بیشک آپ کی طرف اوران کی طرف وحی کیاجاچکاہے جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ اگر تم نے شرک کیاتوضرور تمہارے عمل برباد ہوجائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے ۔بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اوراس کے شکر گزار رہو۔

واضح ہواکہ غیر اللہ کی عبادت کرناشرک اکبر ہے جوحبط اعمال کا بھی موجب ہےاور یقینی خسارہ کا بھی ذریعہ ہے، لہٰذاعبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اور عبودیت اسی کے ساتھ مختص ہے لہٰذا جو شخص کسی بھی غیر اللہ کو اس بات کا مستحق سمجھتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے سامنے مراسم عبودیت بجالائی جائیں تو وہ بلاشبہ مشرک ہے،البتہ عبادت کا کیا مطلب ہے ؟غیر اللہ کی عبادت کیوں شرک ہے ؟اور کیا مطلقاً غیر اللہ کے سامنے عبودیت بجالاناشرک ہے یااس میں کچھ تفصیل ہے ؟ان باتوں کی توضیح کے لئے درج ذیل مباحث کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

شرک ہونے کی وجہ

عبودیت (عبادت کیاجانا)اللہ تعالیٰ کا وصف مختص ہے جس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے ،قرآن وحدیث کے سینکڑوں نصوص میں پوری وضاحت

کے ساتھ اس کو بیان فرمایا گیا ہے لہٰذا غیر اللہ کو مستحق عبادت سمجھنا گویا اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس وصف میں شریک کرنا ہے، نیز کسی کی عبادت تبھی کی جاتی ہے جبکہ اس کو الوہیت کی صفات سے متصف سمجھا جائے چنانچہ انسان اسی کے سامنے نیازِ عبادت بجالاتا ہے جس کو مافوق العادت صفات کمال سے متصف خیال کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ الوہیت کی صفات سے کسی کو متصف ماننا بھی شرک ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ شرک فی العبادۃ عموماً شرک فی الالوہیۃ ہی پر متفرع ہوتا ہے۔

اشاعرہ کا موقف

اشاعرہ کی عام کتابوں میں شرک فی العبادۃ کو مستقل قسم کے طور پر ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ توحید کی طرح شرک کی بھی تین ہی بنیادی اور بڑی قسمیں بیان کی جاتی ہیں: شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی الافعال۔ اس سے بعض اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشاعرہ کے نزدیک غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک نہیں ہے بلکہ شرک ان حضرات کے نزدیک صرف اعتقادی مسئلہ ہے جس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے اور کوئی شخص غیر اللہ کو خدا یا واجب الوجود وغیرہ نہ کہے تو وہ مشرک نہیں ہے گو وہ غیر اللہ کا عابد ہی ہو، حالانکہ یہ بات کسی طرح درست نہیں ہے بلکہ بداہۃً غلط ہے، مگر اس کے باوجود یہ بات صرف عوامی حلقہ ہی میں نہیں بلکہ بعض علمی کتب میں بھی حضرات اشاعرہ کی طرف منسوب ہے، چنانچہ جامعہ اسلامیہ کے ماجستیر کے مفصل مقالہ "الشرک فی القدیم والحدیث" اور "شیخ شمس الدین افغانی کی کتاب "جھود علماء الحنفیۃ" وغیرہ سے یہی تاثر دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اشاعرہ کے نزدیک بھی غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے اور عبادت، اعتقاد استحقاق کے بعد ہی کی جاتی ہے جس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، علماء اشاعرہ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے، شرک کی اقسام کی تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ بہت سے علماء اشاعرہ نے تو اس کو (شرک فی العبادۃ) شرک کی ایک خاص اور مستقل قسم کے طور پر شمار فرمایا ہے، علامہ کفوی وغیرہ کی تقسیم میں تقریب و تقلید کے ضمن میں شرک فی العبادۃ داخل ہو جاتا ہے، جن متکلمین نے اس کو مستقل قسم کے طور پر ذکر نہیں کیا ان کے نزدیک یہ شرک فی الصفات یا شرک فی الالوہیۃ کے تحت داخل ہے، بہر حال اس کو مستقل قسم قرار دیا جائے یا بنیادی اقسام میں سے کسی قسم کے تحت آئے؟ یہ محض ذوقی واجتہادی معاملہ ہے اور جب اصل بات دونوں فریق کے نزدیک یہی ہے کہ غیر اللہ کی عبادت شرک ہے تو اس کے بعد اس میں غلو سے کام لینا اور تمام متکلمین یا اشاعرۃ وماتریدیہ جیسی اکثریتی مکاتب فکر کو گمراہ یا توحید جیسے کلیدی مسائل سے غافل و جاہل سمجھنا انصاف و دیانت کے شایانِ شان نہیں۔

علامہ کفوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الاشراك: هو إثبات الشريك لله في الألوهية، سواء كان بمعنى وجوب الوجود أو استحقاق العبادة، لكن أكثر المشركين لم يقولوا بالأول.[1]

[1] الكليات،ص: ١٢١.

ترجمہ: شرک الوہیت میں اللہ تعالی کے لئے شریک ثابت کرنے کا نام ہے، چاہے واجب الوجود کے معنی میں ہو یا استحقاقِ عبادت کے معنی میں، لیکن اکثر مشرکین پہلے معنی کے قائل نہیں تھے۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اعلم أن كلمةَ الإخـلاص، لاستئصـال الإشراك في العبـادة، دون الإشراك في الـذات، وعليـه تُبنـى دعـوةُ الأنبيـاء علـيهم الصـلاة والسلام، لأن منكري الربوبية أو المشركين في الـذات كـانوا أقـل قليل، فلم يريدُوا بتلك الكلمة إلا الردَّ على الذين كـانوا يشركون في العبادة، كما حَكى اللهُ تعالى عنهم: {مَا نَعْبُـدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَـا إِلَى اللهِ زُلْفَى} . وعلى هذا فالملةُ الإبراهيمية هي استئصال الإشراك في العبادة.[١]

ترجمہ: واضح رہے کہ کلمہ اخلاص (توحید) شرک فی العبادۃ کے خاتمے کے لئے ہے، نہ کہ شرک فی الذات کے خاتمے کے لئے۔ اور اسی پر انبیاء کرامؑ کی دعوت کی بنیاد تھی، اس لئے کہ ربوبیت کے منکرین یا ذاتِ باری تعالی کے ساتھ شریک بنانے والوں کی تعداد انتہائی کم تھی۔ پس اس کلمے سے مقصود یہی تھا کہ عبادت میں شرک کرنے والوں پر رد ہو، جیسا کہ اللہ تعالی نے مشرکین کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ: ہم ان (بتوں وغیرہ) کی عبادت نہیں کرتے مگر اسی لئے ہمیں اللہ سے قریب کردے۔ اس بناء پر ملتِ ابراہیمیہ شرک فی العبادت کے خاتمے کا نام ہے۔

---

[١] فيض الباري ،باب تفاضل أهل الإيمان فى الأعمال، ج١ص١٧٨.

عبادت کیا ہے؟

عبادت عربی زبان کا لفظ ہے، باب نصر ہے اس کا مصدر عبادۃ اور عبودیۃ استعمال ہوتا ہے، لغوی لحاظ سے عبادت کا معنی ہے کسی کے سامنے عجز وانکساری کے مراسم بجالانا، کسی کی اطاعت اور فرمان برداری کرنا، علامہ کفوی رحمہ اللہ اس کی تعریف ذکر کرتے ہیں:

والعبادة: فعل ما يرضي الرب.[١]

ترجمہ: عبادت: ہر اس فعل کے کرنے کا نام ہے، جو رب کو راضی کردے۔

علامہ میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ اس کی تعریف کرتے ہیں کہ:

العبادة: هو فعل المكلف على خلاف هوى نفسه؛ تعظيمًا لربه.[٢]

ترجمہ: عبادت: مکلّف کا رب کی تعظیم کے خاطر اپنی نفسانی خواہش کے خلاف کرنے کو کہتے ہیں۔

قاضی محمد تھانوی صاحب امام رازی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

هي نهاية التعظيم وهي لا تليق إلّا في شأنه تعالى إذ نهاية التعظيم لا تليق إلّا بمن يصدر عنه نهاية الإنعام، ونهاية الإنعام لا تتصوّر إلّا من الله تعالى.[٣]

---

[١] الكليات ،ص: ٦٥٠.

[٢] التعريفات،ص: ١٤٦.

[٣] كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم،ج٢ص ١١٦١.

ترجمہ: عبادت نہایت درجہ تعظیم ہے جو اللہ سبحانہ وتعالی کے شان کے ہی لائق ہے،اس لئے کہ انتہائی تعظیم کے لائق وہی ہستی ہوسکتی ہے جو انعامات کی انتہاء کردے اور انعامات کی انتہاء کا تصوّر سوائے اللہ تعالی کے کسی سے نہیں ہوسکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اس کو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کی رضاء وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کیا جائے یا اس کی انتہائی تعظیم کی جائے،اس کا طریقہ کار کیا ہوگا اور کن اعمال سے عبادت کا یہ مقصود پورا ہوگا؟ اس باب میں شریعت اسلامیہ نے انسان کو آزاد نہیں چھوڑا بلکہ عبادت کے مختلف طریقے اس کو بتلائے ہیں اگر کوئی شخص شریعت کے ان بتلائے ہوئے طریقوں سے الگ کوئی نیا طریقہ تجویز کرتا ہے تو یہ بدعت وناجائز ہے،عبادت کا لفظ تو عام طور پر کچھ مخصوص اعمال واذکار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن در حقیقت اس میں دینِ اسلام کے تمام واجبات ومستحبات بلکہ مکروہات ومحرمات سے بچنا بھی اس کے عموم میں داخل ہے اور یوں پوری شریعت اسلامیہ کے کسی بھی حکم پر اللہ تعالی کی رضاء کی خاطر عمل کرنا عبادت کہلاتا ہے۔

عبادت کے دو جزء

نماز،روزہ،زکوۃ،حج،جہاد،نکاح،بعض صورتوں میں خرید وفروخت اور کھانا پینا وغیرہ،غرض یہ ساری چیزیں اور ان کے مختلف اجزا (مثلاً نماز میں قیام ،قعود،رکوع وسجود،قعدہ وسجدہ وغیرہ) عبادت میں داخل ہیں،اب یا تو ان میں سے ہر عمل غیر اللہ کے لئے کرنے کو شرک اکبر قرار دیا جائے اور یا ہر صورت میں مناط شرک کا لحاظ رکھ کر اس کی تحدید وتفصیل کی جائے اور پھر اسی پر شرک ہونے یا نہ

ہونے کا مدار رکھا جائے، ظاہر ہے کہ پہلی صورت تو بالکل درست نہیں ہے لہٰذا دوسری صورت ہی متعین ہے۔

اسی کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں: ایک عبادت کی مختلف صورتیں اور متنوع اشکال اور دوسری چیز عبادت کی حقیقت وماہیت اور اس کا شرعی مفہوم ودائرہ کار ہے، نماز کا ظاہری ڈھانچہ عبادت کی صورت تو ہے مگر پوری عبادت نہیں ہے یہ پوری عبادت تب بنے گی جب عبادت کی نیت سے یہ عمل کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کو صفات الوہیت سے متصف اور مستحق عبادت جان کر نماز والے اعمال کئے جائیں تو یہ بلاشبہ ایک عظیم عبادت ہے ،اسی طرح رکوع سر جھکانے کا نام ہے جو کہ عبادت ہے مگر صرف ظاہری شکل عبادت نہیں ہے بلکہ عبادت کی نیت سے اس کو کیا جائے، عبادت کی نیت کا حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل وبے بس سمجھ کر غایت تعظیم[1] کی تعظیم کی وجہ سے یہ عمل کرے ،اگر یہ دو باتیں موجود ہوں تو ایسے اعمال کو عبادت قرار دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے اور کوئی شخص غیر اللہ کے سامنے ایسا کرے تو شرک ہے۔

حافظ ابن القیم کی تحقیق

وأعظم أنواع المحبة المذمومة: المحبة مع الله التي يسوي المحب فيها بين محبته لله ومحبته للند الذي اتخذه من دونه. وأعظم أنواعها المحمودة: محبة الله وحده، وهذه المحبة هي أصل السعادة ورأسها

[1] واضح رہے کہ یہاں تعظیم سے مطلق تعظیم بالکل مراد نہیں ہے کہ وہ موجبِ شرک نہیں بلکہ تعظیم کا وہی مفہوم مراد ہے جو پہلے تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

التي لا ينجو أحد من العذاب إلا بها، والمحبة المذمومة الشركية هي أصل الشقاوة ورأسها التي لا يبقى في العذاب إلا أهلها.[1]

ومن خصائص الإلهية: العبودية التي قامت على ساقين لا قوام لها بدونهما: غاية الحب، مع غاية الذل. هذا تمام العبودية، وتفاوت منازل الخلق فيها بحسب تفاوتهم في هذين الأصلين. فمن أعطى حبه وذله وخضوعه لغير الله فقد شبهه به في خالص حقه، وهذا من المحال أن تجيء به شريعة من الشرائع، وقبحه مستقر في كل فطرة وعقل.[2]

ترجمہ: مذموم محبتوں کی ایک بڑی قسم اللہ تعالی کے ساتھ وہ محبت ہے، جس میں محبت کرنے والا اپنی محبت اللہ تعالی اور اس شریک کے درمیان برابر رکھتا ہے اور پسندیدہ محبتوں کی سب سے بڑی قسم صرف ایک اللہ کی محبت ہے، یہی محبت سعادت کی وہ بنیاد اور سرچشمہ ہے جس کے ذریعے ہی عذاب سے نجات ممکن ہوسکتی ہے، نیز مذموم اور مشرکانہ محبت بدبختی کا وہ پیش خیمہ ہے جس کے اہل عذاب سے بچ نہیں پائیں گے۔

اُا ی خصوصیات میں سے ایک وہ عبودیت (بندگی) ہے جو کہ دو ایسے بازوں پر قائم ہے کہ ان کے سِوا وہ رہ نہیں سکتی ہے: ایک حد درجہ کی محبت، دوسرا اس کے ساتھ حد درجہ کی انکساری وذلّت۔ یہ عبودیت کا کمال ہے۔ ان دو چیزوں میں تفاوت کے اعتبار سے عبودیت میں لوگوں کے درجات کا تفاوت ہوتا ہے۔ پس جس نے اپنی محبت، عجز وانکساری غیر اللہ کے لئے صرف کردی اس نے اس غیر کو اللہ تعالی کے مشابہ کر دیا

---

[1] الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي = الداء والدواء (ص: ١٩٩)

[2] الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي = الداء والدواء (ص: ١٣٦)

اس کے خالص حق میں، اور یہ محال ہے کہ کوئی شریعت اس عقیدے کو لے کر نازل ہو۔ کہ ہر عقل و فطرت پر اس کی قباحت واضح ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تحقیق

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ" میں اس کو بڑی وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، شرک کی حقیقت کے ضمن میں عبادت کی تعریف کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

اعلم أن العبادة هو التذلل الأقصى، وكون تذلل أقصى من غيره لا يخلو إما أن يكون بالصورة مثل كون هذا قياما وذلك سجودا، أو بالنية بأن نوى بهذا الفعل تعظيم العباد لمولاهم، وبذلك تعظيم الرعية للملوك، أو التلاميذه للأستاذ لا ثالث لهما. ولما ثبت سجود التحية من الملائكة لآدم عليه السلام ومن إخوة يوسف ليوسف عليه السلام، وأن السجود أعلى صور التعظيم، وجب ألا يكون التميز إلا بالنية[1]

ترجمہ: واضح رہے کہ عبادت غایت درجہ کی تذلل و عاجزی کا نام ہے، اور اللہ تعالیٰ کے غیر کے سامنے غایت درجہ کی عاجزی دکھلانا یا تو صورۃ ہو گا جیسے قیام اور سجدہ، یا نیت سے کہ اس فعل سے بندے اپنے مولیٰ کی تعظیم کی نیت کریں، یا رعایا اپنے بادشاہوں کی تعظیم کی نیت کریں، یا شاگرد اپنے استاذ کی۔ ان دو کے علاوہ تیسری صورت نہیں ہے۔ نیز جب فرشتوں کا حضرتِ آدمؑ کو اور یوسفؑ کے بھائیوں کا حضرتِ یوسفؑ

[1] حجة الله البالغة، باب في حقيقة الشرك ،ج١ص ١١٧.

کو سجدہء سلام وتحیہ ثابت ہے، حالانکہ سجدہ، تعظیم کی سب سے اعلی صورت ہے۔ پس واجب ہے کہ عاجزی اور عبادت کے درمیان نیت کے ذریعے ہی تمیز ہو۔

"امداد الاحکام" کے حاشیہ میں ہے:

العبادة هي إظهار غاية الذلّ والخشوع لشيء مع اعتقاد من تلك الاعتقادات فيه.

ترجمہ: عبادت، وہ کسی چیز کے سامنے غایت درجہ کی ذلّت اور خشوع کا اظہار کرنا ہے ان عقائد کے اعتقاد کے ساتھ جو اس میں ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"ومرجعه إلى ما ذكرناه قبل أنّ العبادة غاية الحبّ بغاية الذلّ والخضوع مع الشّعور بأنّ للمعبود سلطة غيبية فوق الأسباب يقدر بها على النفع والضرر".[1]

ترجمہ: اس کا مرجع وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا کہ عبادت حد درجہ کی محبت ہے سراپا عجز وانکساری کے ساتھ، جس کے ساتھ یہ شعور بھی ہو کہ معبود ماورائے اسباب ایسی غیبی سلطنت وقدرت کا مالک ہے جس کے ذریعے وہ نفع وضرر پہنچانے پر قادر ہے۔

"سجدہ" عبادت کی اعلیٰ ترین صورت ہے کہ اس میں بندہ عاجز اپنی پوری ذلت ومسکنت کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنے معبود کی پوری طرح تعظیم کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن اس کے باوجود حضرت شاہ صاحب اور جمہور علماء کے نزدیک محض سجدہ کرنا موجب شرک اکبر نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے اور

---

[1] امداد الاحکام ج1 ص128.

بظاہر راجح بھی یہی ہے اگر مطلق سجدہ بہر حال عبادت اور موجبِ شرک ہوتا تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ کبھی بھی کسی بھی شریعت میں اس کی اجازت نہ ہوتی، حالانکہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے امر سے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ کیا تھا اسی طرح حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ کیا تھا اور ان دونوں جگہ سجدہ سے حقیقی معنیٰ ہی مراد لینا انسب ہے ،تاہم اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سجدہ چاہے تعظیم وعبادت کے طور پر نہ ہو بلکہ تحیہ کے طور پر بھی ہو، ذریعہ شرک یا صورت شرک ہونے کی وجہ سے بہر حال حرام ہے۔

فقہاء کرام کی تصریحات

فقہائے کرام نے بھی سجدہ کو مطلقاً کفر نہیں کہا بلکہ اس میں یہی تفصیل کی ، چنانچہ "الاختیار" میں ہے:

وتقبيل الأرض بين يدي السلطان أو بعض أصحابه ليس بكفر لأنه تحية وليس بعبادة، ومن أكره على أن يسجد للملك الأفضل لا يسجد لأنه كفر، ولو سجد عند السلطان على وجه التحية لا يصير كافرا.[1]

ترجمہ: بادشاہ یا اس کے وزراء کے سامنے زمین بوسی کرنا کفر نہیں اس لئے کہ یہ تحیہ (سلام) ہے اور عبادت نہیں، جس کو بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنے پر مجبور کیا جائے ،اس کے لئے افضل یہی ہے کہ سجدہ نہ کرے،اس کہ یہ کفر ہے۔اگر کسی نے بادشاہ کے سامنے بطورِ سلام کے سجدہ کیا، تو کافر نہیں ہو گا۔

---

[1] الاختيار لتعليل المختار، كتاب الكراهية، ج٤ ص١٥٧.

مشہور فقیہ قاضی خان رحمہ اللہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ولو قيل للمسلم اسجد للملك وإلا قتلتك لا بأس أن يسجد للملك سجود التحية و التعظيم لا سجود العبادة لأن سجود التعظيم لا يكون كفرا عرف ذلك بأمر الله تعالى الملائكة سجود آدم عليه السلام والله لا يأمر أحدا بعبادة غيره وكذلك إخوة يوسف سجدوا ليوسف عليه السلام.[1]

ترجمہ: اگر کسی مسلمان کو بادشاہ کے سامنے یہ کہہ کر سجدہ کرنے پر مجبور کیا جائے کہ تمہیں قتل کر دیں گے، تو اس صورت مین بادشاہ کے سامنے بطورِ سلام اور تعظیم کے سجدہ کرنے کی اجازت ہے، البتہ سجدہء عبادت نہ کریں، اس لئے کہ سجدہ تعظیم کفر نہیں۔ فرشتوں کو اللہ تعالی کی طرف سے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کیونکہ اللہ تعالی غیر کی عبادت کا حکم نہیں فرماتے، اسی طرح یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرتِ یوسف علیہ السلام کے سامنے جو سجدہ کیا (وہ بھی سجدہ عبادت نہ تھا سجدہ تعظیم تھا جو کہ کفر نہیں)۔

"محیط برہانی" میں ہے:

قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله: من قبل الأرض بين يدي السلطان أو أمير، أو سجد له، فإن كان على وجه التحية لا يكفر، ولكن يصير آثماً مرتكباً للكبيرة، أما لايكفر لأن السجدة على وجه التحية نفسها ليس بكفر، ألا ترى أن السجدة لغير الله تعالى على سبيل

---

[1] فتاوى قاضيخان، باب ما يكون كفرا من المسلم وما لا يكون، ج٣ص٣٥٩.

التحية كانت مباحة في الابتداء، والكفر لم يبح في زمـان، والـدليل على صـحة مـا قلنـا أن الله تعـالى أمـر الملائكـة بسـجدة آدم عليـه السلام، ولا يجوز أن يكون الكفر مأموراً به.[١]

ترجمہ: فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا جس نے سلطان یا کسی امیر کے سامنے زمین کا بوسہ لیا یا سجدہ کیا، پس یہ اگر سلام کے طور پر ہو، تو کافر اگرچہ نہ ہوا لیکن گنہگار اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ کافر اس لئے نہیں کیونکہ سلام کے طور پر سجدہ کرنا فی نفسہ کفر نہیں ہے، چنانچہ سلام کے طور پر سجدہ ابتداءً مباح تھا اور کفر کسی زمانے میں مباح نہیں رہا۔ ہماری بات کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرشتوں کو حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، اور کفر کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

یہاں یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ وہ دوسری شریعت کا مسئلہ تھا جس کو ہماری شریعت اسلامیہ میں ممنوع وحرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ توحید وشرک کا تعلق اصول دین کے ساتھ ہے بلکہ یہی معظم اصول دین ہے جس پر تمام شرائع متفق ہیں اسی طرح توحید کی اہمیت وضرورت اور شرک کی مذمت وقباحت صرف شرعی ہی نہیں بلکہ عقلی بھی ہے۔

"محیط برہانی" میں ہے:

ثم تكلم العلماء أن سجدة الملائكة كانت لمن؟ بعضهم قالوا: كانت لله تعالى، ولكن التوجه إلى آدم كان تشريفاً وتكريماً لآدم، ألا ترى أنه تستقبل

---

[١] المحـيط البرهـاني في الفقـه النعمـاني، الفصـل الثلاثـون في ملاقـاة الملـوك، والتواضـع لهم، ج٥ص٣٩٥.

الكعبة في الصلاة، والصلاة تكون لله تعالى، والتوجه إلى الكعبة لتشريف الكعبة، كذا ههنا، وقال بعضهم: لا بل كانت السجدة لآدم على وجه التحية والإكرام له، ثم نسخ ذلك بقوله عليه السلام: «لو أمرت أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها» أما الإثم فلأنه ارتكب ما هو محرم ومنهي عنه، وارتكاب المحرم يوجب الإثم.[1]

ترجمہ: علماء کرام نے فرمایاہے کہ فرشتوں نے کس کو سجدہ کیا تھا؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ سجدہ در حقیقت اللہ تعالی کے لئے تھا،اور حضرت آدمؑ (بطور قبلہ کے تھے اور ان) کی طرف رُخ کرنا حضرتِ آدم کی تکریم و تشریف کے لئے تھا۔ مثلا نماز میں منہ کعبہ کی طرف کیاجاتاہے لیکن نماز اللہ کے لئے ہوتی ہے اور رُو بکعبہ ہونا کعبہ کی تعظیم کے واسطے ہے یہاں بھی اس طرح ہے۔ دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ در حقیقت سجدہ آدمؑ کے لئے بطورِ سلام واکرام کے تھا، پھر بعد میں امت محمدیہ میں یہ سجدہ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے منسوخ ہوا: (کہ اگر میں کسی حکم دیتا کہ کسی کے سامنے سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے)البتہ گناہ، تو وہ اس لئے کہ اس نے حرام اور ممنوع کام کا ارتکاب کیااور حرام کے ارتکاب سے گناہ لازم ہوتا ہے۔

لہٰذا عبادت اللہ تعالی کی صفت خاصہ ہے اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا شرعاً شرک اور منافی توحید ہے البتہ عبادت میں اس تفصیل کالحاظ رکھنا ضروری ہے جو اوپر درج کی گئی کہ محض عبادات کی صورتیں بجالانے سے کوئی مشرک نہیں ہوگا اور جن نصوص میں غیر اللہ کی عبادت کو شرک قرار دیا گیا ہے ان سے اس پر استدلال کرنا

---

[1] المحيط البرهاني في الفقه النعماني، الفصل الثلاثون في ملاقاة الملوك، والتواضع لهم، ج٥

اس لئے درست نہیں ہے کہ صورتِ عبادت عبادت نہیں کہلاتی لٰہذا وہ ان نصوص کے تحت داخل نہیں ہے، ان نصوص کا حاصل یہی ہے کہ مراسم عبودیت کو عبادت کی نیت وطریقہ کے ساتھ ادا کیا جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

تاہم عبادت کے لئے خود عبادت کا لفظ کہنا ضروری نہیں ہے لٰہذا اگر کوئی شخص بالاستقلال تصرف یا قدرت وغیرہ خواص الوہیت کے اعتقاد کے ساتھ کسی غیر اللہ کی غایت تعظیم کے لئے کچھ مراسم عبودیت ادا کرے تو ایسا کرنا بہر حال غیر اللہ کی عبادت اور شرک ہے چاہے وہ اس کو عبادت نہ کہتا ہو یا غیر اللہ کے وسیلہ کے طور پر ایسا کرنے پر اصرار کرتا ہو یا کوئی اور بے جا تاویل کا مدعی ہو، لٰہذا اس تصور سے کوئی سجدہ کرے تو اس کو سجدہ تحیہ نہیں بلکہ سجدہ عبادت ہی سمجھا جائے گا۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عبادة الصنم كفر، ولا اعتبار بما في قلبه..وكذا لو صور عيسى عليه السلام ليسجد له، وكذا اتخاذ الصنم لذلك.[1]

ترجمہ: بت کی عبادت کرنا کفر ہے، اور دلی خیالات کا اس بارے میں اعتبار نہیں چنانچہ اگر کسی نے حضرتِ عیسیٰؑ کی تصویر بنا کر کہ اس کے سامنے سجدہ کیا اور اسی غرض کے لئے بت کا بنائے تو یہ کفر ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو سجدہ کیا تھا اس کے ذیل میں "تفسیر عثمانی" میں ہے:

[1] الأشباه والنظائر مع غمز عيون البصائر، باب الردة، ج٢ص٢٠٤.

"تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کلیۃً ممنوع نہیں، البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے۔ جس کی اجازت ایک لمحہ کے لیے کبھی نہیں ہوئی، نہ ہو سکتی ہے "سجود عبادت "یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع وضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرک جلی ہے جس کی اجازت کبھی کسی ملت سماوی میں نہیں ہوئی۔ ہاں "سجود تعظیم " یعنی عقیدہ مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم و تکریم کے طور پر سربسجود ہونا شرائع سابقہ میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کی بھی جڑ کاٹ دی۔"

یہی سجدہ عبادت، ہی سجدہ شرعی اور سجدہ حقیقی ہے جس کو بعض کتابوں میں مطلقاً شرک و کفر قرار دیا، علامہ آلوسی رحمہ اللہ ایک بات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

السجود الشرعي عبادة، وعبادة غيره سبحانه شرك محرم في جميع الأديان والأزمان- ولا أراها حلت في عصر من الأعصار.[1]

ترجمہ: سجدہ شرعی عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت ہر دین اور ہر زمانے میں شرک اور حرام ہے، میں نہیں سمجھتا کہ کسی وقت یہ حلال ہوئی ہو۔

اسی طرح سجدہ کا موضوع لہ عبادت ہے لہٰذا اگر عبادت اور تحیہ دونوں کی نیت نہیں کی اور یوں ہی کسی غیر اللہ کو سجدہ کیا تو بھی اکثر اہل علم کے نزدیک ایسا کرنا بھی موجب کفر و شرک ہے، مشہور حنفی فقیہ علامہ ابو جعفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] روح المعاني، تفسير سورة البقرة، ج۱ص۲۳۰.

قَالَ الْفَقِيه أَبُو جَعْفَر من قبل الأَرْض بَين يَـدي السُّـلْطَان والأمـير وَسجد لَهُ فَإِن كَانَ على وَجه التَّحِيَّة لَا يكفر وَلَكِن يصير آثِما مرتكبا للكبيرة وَإِن سجد بنية الْعِبَادَة للسُّلْطَان وَلم تحضره النِّيَّة فقد كفر.١

ترجمہ: فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ جس نے سلطان یا امیر کے سامنے زمین کا بوسہ لیا یا اس کو سجدہ کیا، پس اگر یہ تحیہ وسلام کے طور پر ہو تو کافر نہیں ہوگا لیکن گنہگار اور مرتکبِ کبیرہ ہوگا، اور اگر سلطان کی عبادت کی نیت سے سجدہ کیا یا بغیر نیت تعظیم کے سجدہ کرے تو اس نے کفر کیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حب فی اللہ، بغض فی اللہ اور ان کے نتائج و ثمرات بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"ان سب باتوں کو اگر غیر خدا کی خوشنودی کے لئے کرے اور نیت عبادت ہو تو یہ سب کی سب باتیں شرک ہوجائیں گی، ورنہ (اگر ایسی نیت نہیں ہے، راقم) نماز کے ارکان اور حج کے ارکان تو شرک ہوں گے، اور چیزوں کے ادا کرنے میں بغیر نیتِ عبادت مشرک نہیں بنے گا۔ وجہ تفریق اس کی یہی ہے کہ اصل عبادت یہ دو ہی باتیں (یعنی نماز و حج) ہیں، اور ان کی ہر ہر بات خدا کی عظمت اور اس کے مطاع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔"٢

---

[1] نصاب الاحتساب، الباب الثامن والأربعون في الاحتساب على المفرط في التواضع للناس ص: ٣١٧.

[2] حجۃ الاسلام ص 35

شرک اعتقادی مسئلہ ہے

توحید اور شرک ایمان وکفر کے مانند ہیں، جو اعتقاد کی قبیل سے ہے اور اعتقاد کا محل قلب ہے لہٰذا توحید ہو یا شرک، دونوں اصلاً اعتقادی مسائل ہیں اگر کوئی شخص ذات وصفات وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہے تو وہ موحد ہے اور اس کا یہ عقیدہ توحید کہلائے گا اور اگر خدا نخواستہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات میں یا صفات میں یا افعال میں کسی غیر اللہ کو شریک سمجھتا ہے تو وہ مشرک ہے اور اس کا یہ عقیدہ شرک کہلائے گا، لہٰذا ضابطہ کے مطابق نہ تو ہر منافی توحید کام کرنے کی وجہ سے کسی کو مشرک قرار دینا جائز ہے اور نہ ہی توحید کے کچھ تقاضوں کو پورا کرنے کی وجہ سے اس کو موحد کہنا درست ہے۔

قرائن کی وجہ سے شرک کا فیصلہ

البتہ اس ضابطہ کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ جب تک کوئی شخص خود اپنے مشرک ہونے کا اعتراف نہ کرے تو اس کو مشرک نہ سمجھا جائے بلکہ دیگر مسائل کی طرح شرک وتوحید کا دار مدار بھی اپنے شرعی مفہوم پر ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کوئی ایسا عقیدہ رکھتا ہے جو شرعی مفہوم کے مطابق شرک ہو تو وہ مشرک کہلائے گا اگرچہ خود وہ اس عقیدہ کو شرک نہ کہے بلکہ اس کو توحید وتعظیم کا عنوان دے، چنانچہ کفر باوجودیکہ ایک اعتقادی مسئلہ ہے لیکن بعض قوی قرائن کو بھی فقہاء کرام اس کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور اس کی بنیاد پر اس کی تکفیر کرتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص اپنے اختیار سے زنار باندھتا ہے یا کفار کا کوئی بھی مخصوص مذہبی شعار اپناتا ہے تو جمہور کے نزدیک اس کو کافر قرار دیا جائے گا اگرچہ زبان سے وہ اس باطل مذہب کی

حقانیت کا اعتراف نہ کرے نہ اپنے متعلق کافر ہونے کا اعتراف کرے کیونکہ کسی باطل مذہب کا مذہبی لباس پہنا اس بات کا قرینہ ہے کہ خود بھی ان کے باطل کفریہ نظریات کا حامل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی طرح معلوم ہو جائے کہ پہننے والا کسی کفریہ نظریہ کا حامل نہیں بلکہ کسی مجبوری یا دنیوی مفاد وغیرہ کی وجہ سے ایسا کیا ہے اور اعتقاد میں کوئی خلل نہیں آیا تو دیانۃً وہ کافر نہیں ہو گا۔

شرح مواقف میں ہے:

فإن قيل: فشد الزنار ولابس الغيار بالاختيار لا يكون كافرا إذا كان مصدقا له في الكل وهو باطل إجماعا قلنا: جعلنا الشيء الصادر عنه باختياره علامة للتكذيب فحكمنا عليه بذلك أي بكونه كافرا غير مصدق ولو علم أنه شد الزنار لا لتعظيم دين النصارى واعتقاد حقيته لم يحكم بكفره فيما بينه وبين الله.[١]

ترجمہ: اگر کوئی کہے کہ اپنی اختیار سے زُنار (مجوسیوں کی علامت) باندھنے والا اور غیار (ذمّیوں کی علامت) پہننے والا کافر نہیں ہو گا جب مجموعی طور پر وہ (توحید کی) تصدیق کرتا ہو حالانکہ یہ بات بالاجماع باطل ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہم نے اختیاری طور پر اس کے اس عمل کو تکذیب کی علامت قرار دیکر اس پر یہ حکم لگایا۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس نے زُنار دینِ نصاریٰ کی تعظیم کے لئے اور اس کے حق ہونے کے اعتقاد کے ساتھ نہیں پہنی ہے بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے پہنی ہے تو دیانۃً اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

---

[١] كتاب المواقف ،المقصد الثالث، ج ٣ص ٥٤٦.

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے یہ اشکال کیاہے کہ اگر ایمان تصدیق ہی کا نام ہے تو چاہئے کہ پھر رسول محبوب ﷺ سے بغض کرنے والے، بت کو سجدہ کرنے اور مصحف شریف کی ہتک و توہین کرنے والے کو محض ان حرکات کی وجہ سے کافر نہ کہاجائے اور جب وہ تصدیق بالقلب کرتاہے تو اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے؟ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

من المعاصي ما جعله الشارع إمارة عدم التصديق تنصيصا عليه أو على دليله والأمور المذكورة من هذا القبيل بخلاف مثل الزنا وشرب الخمر من غير استحلال۔[1]

ترجمہ: بعض گناہ ایسے ہیں جسے شارع نے تکذیب کی علامت ٹھہرایاہے اور مذکورہ امور

اسی قبیل سے ہیں، ہاں البتہ زنااور شراب پینے کا حکم یہ نہیں جب اسے حلال نہ سمجھے۔

لہٰذا جس طرح کفر اصلاً تکذیب شارع کا نام ہے اور یہاں ایک قرینہ کو اس کا قائم مقام ٹھہرا کر اس کی بنیاد پر تکفیر کی ہے، اسی طرح شرک کا معاملہ بھی ہے کہ اصلاً اعتقادی مسئلہ ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص کوئی ایسا عمل کرتاہے جس کی حیثیت مشرکین کے مذہبی شعار کی ہو تو اپنے اختیار سے ایسے عمل کی وجہ سے اس کو مشرک سمجھا جائے گا اگرچہ زبان سے شرک کا یا اپنے مشرک ہونے کا اعتراف نہ کرے البتہ اگر اس کا عقیدہ شرکیہ نہ ہو تو عنداللہ وہ مشرک نہیں کہلائے گا، یہی وجہ ہے کہ "تقویۃ الایمان" وغیرہ بعض کتابوں میں شرک کی ایک قسم "شرک فی

---

[1] شرح المقاصد في علم الكلام ج ٢ص ٢٥٧

العادات" بھی ذکر کی گئی ہے،اس کی تائید بعض روایات سے بھی ہوتی ہے مثلاً سنن ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضوراقدس ﷺ کی خدمت میں اس حال میں آئے کہ گلے میں صلیب لٹکایا ہوا تھا ،حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يا عدي اطرح عنك هذا الوثن.[١]

ترجمہ: اے عدی خود سے اس بت کو دور کرو۔

یہاں صلیب کو ہی وثن یعنی بت سے تعبیر فرمایا گیا کیونکہ یہ ان نصاریٰ کی مذہبی نشان تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے اور اپنے راہبوں کو "ارباب" بنانے کی وجہ سے مشرک ہو گئے تھے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی ایسی چیز کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے جس کو مشرکین ہی سجدہ کرتے ہوں تو گو وہ زبان سے کسی موجب شرک اعتقاد کا اظہار نہ کرے ،اس کو مشرک قرار دیا جائے گا، مثلاً بت کے سامنے سجدہ کرنا، آگ کے سامنے سجدہ کرنا، سورج اور ستاروں کی پوجا کرنا۔ کیونکہ ان چیزوں کو کوئی تحیہ کے لئے سجدہ نہیں کرتا اور مشرکین ہی ان کی عبادت اور سجدہ کرتے ہیں ،البتہ اگر کوئی شخص کسی بزرگ کے قبر کو سجدہ کرتا ہے تو چونکہ یہ مشرکین کا شعار نہیں ہے اور بعض یہود و نصاریٰ میں گو اس کا رواج تھا جس کی بناء پر احادیث مبارکہ میں ان کی تردید و مذمت بھی کی گئی ہے مگر اس کا سجدہ عبادت ہونا متیقن نہیں ہے اس لئے

---

[١] سنن الترمذي ت شاكر،تفسير سورة توبة.رقم الحديث: ٣٠٩٥.

محض اس اقدام کو شرک اکبر قرار دینا خلاف احتیاط ہے البتہ اگر وہ خود اس بات کا اعتراف کرے کہ یہ سجدہ عبادت ہے اور صاحب قبر اس لائق ہے یا کسی بھی غیر اللہ کے متعلق شرکیہ عقیدے کا قائل ہو تو اس کے مشرک ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

فصل پنجم: موضوع سے متعلق غلط استدلالات اور غلط فہمیوں کا تحقیقی تجزیہ

شرک سے متعلق چند غلط فہمیاں

قرآن وسنت کی روشنی میں بھی اور عقل سلیم کے نزدیک بھی دنیا کا سب سے بڑا جرم شرک ہے، یہ تمام محرمات اور معاصی سے بڑھ کر گناہ ومعصیت ہے، قرآن وسنت میں تمام مسائل میں سے سب سے زیادہ زور اسی مسئلہ توحید وشرک پر دیا گیا ہے بلکہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے لیکر حضرت خاتم الانبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات تک جتنے حضرات انبیاء ورسل اس دنیا میں تشریف لائیں

ہیں ان سب کی دعوتی زندگی کا بڑا مقصد یہی مسئلہ توحید و شرک ہی تھا کہ لوگوں میں توحید باری تعالیٰ کی اہمیت واعتقاد پیدا ہو جائے اور دل میں شرک سے بے زاری و نفرت پیدا ہو جائے۔

قرآن وسنت سے ایک حد تک وابستگی ہی کا نتیجہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان کہلانے والا فرد یا جماعت شرک کی نسبت اپنی طرف گوارا نہیں کرتا بلکہ ہر کوئی اس کو ایک معیوب اور قابل نفرت جرم ہی خیال کرتا ہے لیکن بعض حلقوں میں نفرت و بے زاری کا یہ قابل قدر جذبہ اس حد تک بڑھ گیا کہ انہوں نے اس مسئلہ کی طرف التفات کرنا ہی چھوڑ دیا اور دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ توحید و شرک پر غور و فکر اور بحث و تحقیق کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جس کا ایک بھیانک نتیجہ یہ سامنے آیا کہ رفتہ رفتہ توحید و شرک کی حدود ذہن سے مخفی ہونے لگے اور کچھ عرصہ بعد بعض شرکیہ اعمال واقوال زندگیوں میں داخل ہو گئے۔

اور کچھ عرصہ بعد بعض موجب شرک اعمال و قوال کے لئے مختلف قسم کے استدلالات بھی کئے جانے لگے، لیکن اہلِ علم کی طرف سے کچھ زیادہ التفات نہ ہونے کی وجہ سے استدلالات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور اس کی وجہ سے بہت سے مسلمان فکری غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے، یہاں اسی قسم کے مختلف استدلالات اور ساتھ ہی ان کا سقم بھی بیان کیا جاتا ہے۔

شرک کا ڈر

بخاری شریف کی روایت ہے:

أن النبي صلى الله عليه وسلم، خرج يوما فصلى على أهل أحد صلاته على الميت، ثم انصرف إلى المنبر فقال: «إني فرطكم، وأنا شهيد عليكم، إني والله لأنظر إلى حوضي الآن، وإني قد أعطيت مفاتيح خزائن الأرض، وإني والله ما أخاف بعدي أن تشركوا، ولكن أخاف أن تنافسوا فيها».[١]

ترجمہ: آپ ﷺ ایک دن باہر نکلے ،اہلِ احد پر جنازے کی نماز کی طرح نماز پڑھی، پھر ممبر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہونگا، اللہ کی قسم میں اپنی حوض کو اسی وقت دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئیں بخدا! مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ میرے بعد تم شرک کروگے، لیکن مجھے تمہارے اس (دنیا) میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا خوف ضرور ہے۔

اسی طرح مسلم شریف کی روایت ہے:

عن جابر، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم، يقول: «إن الشيطان قد أيس أن يعبده المصلون في جزيرة العرب، ولكن في التحريش بينهم.[٢]

ترجمہ: حضرت جابرؓ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں نمازی اس کی عبادت کرنے لگیں گے۔ ہاں البتہ وہ ان کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنے میں لگا ہوا ہے۔

---

[١] صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام.

[٢] صحيح مسلم ،كتاب صفة القيامة والجنة والنارباب تحريش الشيطان.

ان جیسی روایات کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب حضور ﷺ کو اپنی امت کے متعلق شرک کا خوف نہیں تھا اس لئے امت شرک میں مبتلا نہیں ہوگی اور کلمہ گو کے متعلق اس پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ شرک کا ارتکاب کر بیٹھیں گے، مثلاً فیصل آباد کے مولانا مفتی محمد امین صاحب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقولہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ خارجیوں والا نظریہ مولوی اسماعیل نے تقویۃ الایمان میں اختیار کیا ہے اور وہی آیتیں جو کہ کافروں اور بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لکھ کر تاثر دیا ہے کہ جو کوئی انبیاء و اولیاء کے لئے اختیار یا تصرف ثابت کرے خواہ اللہ کی عطا سے ہی ہو، وہ مشرک ہے۔۔۔"١

پہلی روایت سے استدلال کا جواب

پہلی روایت کے متعلق عرض یہ ہے کہ احادیث میں ضمیر خطاب کا مصداق ہر جگہ پوری امت نہیں ہوتی بلکہ بسااوقات اس سے وہی افراد مراد ہوتے ہیں جو خطاب کے وقت موجود ہوتے ہیں، یہاں بھی یہی مراد لینا انسب معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت و تعلیم و تربیت کی برکت سے ان کے بارے میں واقعۃً ایسا کوئی خطرہ نہ تھا کہ یہ جماعت بھی اغواء شیطانی میں آکر شرک جیسی بڑی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

---

١ تعارف تقویۃ الایمان، ص37

وأن أصحابه لا يشركون بعده فكان كذلك.[1]

ترجمہ: آپﷺ کے صحابہ آپؐ کے بعد شرک کے مرتکب نہیں ہونگے چنانہ ایسا ہی ہوا۔

اگران روایات کا یہ معنٰی لیاجائے کہ کبھی مسلمانوں میں یاجزیرۃ عرب میں شرک واپس نہیں آئے گا تودیگر روایات کے ساتھ تعارض لازم آئے گا، مثلاً صحیح بخاری میں ہے:

"لا تقوم الساعة حتى تضطرب أليات نساء دوس على ذي الخلصة» وذو الخلصة طاغية دوس التي كانوا يعبدون في الجاهلية[2]"

ترجمہ: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک قبیلہ دوس کی عورتوں کے سرینیں ذوالخا صہ کے گرد حرکت کرنے لگے اور ذوالخا صہ قبیلہ دوس کابت تھا جس کی وہ جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔

اس روایت کے بعض طرق میں "تبالہ" کاذکر بھی ہے جو یمن میں ایک جگہ کانام ہےاور یمن جزیرہ عرب میں داخل ہے، اگرپوری امت کے متعلق شرک میں پڑنے کاخدشہ نہ تھااور امت واقعۂ شرک میں مبتلانہ ہوسکتی تھی تو بنی دوس کی عورتیں کیونکراس فتنہ میں مبتلاہوجائیں گی!

---

[1] فتح الباري، ج٦ص٦١٤.

[2] صحيح البخاري،باب تغيير الزمان حتى تعبد الأوثان.

دوسری روایت سے استدلال کا جواب

دوسری روایت کے متعلق عرض یہ ہے کہ اس میں شیطان کی مایوسی کا ذکر ہے اور وہ بھی جزیرہ عرب کی حد تک، جبکہ شیطان کی مایوسی کا نہ واقع کے مطابق ہونا ضروری ہے نہ ہی اس کا استمرار ودوام لازم ہے، چنانچہ متعدد شارحین نے اس حدیث مبارکہ کی تشریح میں یہ اشکال نقل فرمایا ہے کہ شیطان کی عبادت کرنے سے مراد یہ ہے کہ۔ نعوذ باللہ۔ مسلمان اس کے کہنے پر کفر وارتداد اختیار کریں اور جزیرہ عرب میں کفر وارتداد کا ارتکاب ہوتا رہا چنانچہ مسلیمہ کذاب اور اسود عنسی کی اتباع کی وجہ سے بعض مسلمان پھسل کر مرتد ہو گئے تھے تو حدیث کی یہ پیش گوئی کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

اس اشکال کے بعد حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ،علامہ تورپشتی رحمہ اللہ سے جواب نقل فرماتے ہیں کہ:

فالجواب أن يقول: إن النبي -صلى اللهّٰ عليه وسلم- لم يخبر عنهم أنهم لا يفعلون ذلك، وإنما أخبر عن اليأس الذي استشعر الشيطان منهم أن يعودوا في طاعته، فلا تضاد بين هذا الحديث وبين القضية التي ذكرت.

ترجمہ: آپ ﷺ نے ان کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ لوگ مشرک نہ ہوں گے بلکہ آپ ﷺ نے شیطان کی اس مایوسی کی خبر دی جسے شیطان ان کے بارے میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ میری اطاعت پر اب نہیں آئینگے۔ پس اس حدیث اور مذکورہ بالا قضیہ میں کوئی تضاد نہیں۔

اس جواب کے بعد مزید ایک مناسب توجیہ ذکر فرمائی ہے کہ روایت میں اس بات کا ذکر ہے کہ نمازی شیطان کی عبادت نہیں کریں گے ،ان نمازیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین اسلام پر پورے طرح عامل ہوں جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہودیت ونصرانیت کی طرح خود دینِ اسلام بت پرستی اور شرک میں تبدیل نہیں ہوگا کہ اصل دینِ اسلام مسخ ہوکر دورِ جاہلیت کی طرح شرک وبُت پرستی کا دور غالب ہوجائے،اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمان کہلانے والے کبھی شرک میں مبتلا نہیں ہوں گے یا کلمہ گو سے کبھی شرک صادر نہیں ہوگا بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر زمانہ میں امت کے اندر ایک ایسا طبقہ موجود رہے گا جو اصل دین اسلام پر پوری طرح کاربند رہے گا جس طرح کہ بہت سی روایات میں اس کی تصریح بھی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ويحتمل معنى آخر، وهو أنه أشار -صلى اللهّٰ عليه وسلم- أن المصلين من أمتي الذين يقيمون الصلاة دينا وملة لا يجمعون بين الصلاة وعبادة الشيطان كما فعلته اليهود والنصارى، وذلك أن تقول: معنى الحديث: أن الشيطان أيس من أن يتبدل دين الإسلام، ويظهر الإشراك، ويستمر ويصير الأمر كما كان من قبل،

ولا ينافيه ارتداد من ارتد، بل لو عبد الأصنام أيضًا لم يضر في المقصود ، فافهم.[1]

ترجمہ: اس حدیث کی ایک اور توجیہ بھی ممکن ہے، وہ یہ کہ میری امّت کے وہ نمازی جو دینی وملی لحاظ سے نماز قائم کرینگے وہ نماز اور شیطان کی عبادت کو جمع نہیں کرینگے، جیسا کہ یھود ونصاریٰ نے کیا۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہوا کہ دینِ اسلام مکمل بدل جائے اور شرک ظاہر ہو کر برقرار رہے، اور معاملہ ایسا ہو جائے جس طرح کہ پہلے تھا، اور جو مرتد ہوئے ان کا ارتداد اس کے منافی نہیں، بلکہ اگر بتوں کی پوجا بھی ہونے لگے تب بھی (حدیث کے) مقصود کے لئے مضر نہیں۔

مشہور حنفی محدث علامہ مظہری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی تشریح میں یہی اشکال کیا کہ جزیرہ عرب کے بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے تھے تو اس پیش گوئی کا کیا محمل ہے؟ پھر اس کے تین جواب دیئے ہیں: ایک تو یہی پہلا جواب کہ اس میں شیطانی کی مایوسی کا ذکر ہے اور اس کا واقع کے مطابق ہونا کوئی لازم نہیں، دوسرا جواب یہ دیا کہ اس میں ہر فرد امت مراد نہیں ہے کہ اس امت کا کوئی بھی شخص شرک میں مبتلا نہیں ہو گا بلکہ اکثر امت کا حال بتانا مقصود ہے کہ اکثر امت کبھی شرک میں مبتلا نہیں ہو گی۔ تیسرا جواب بہت مناسب ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں روایت مبارکہ میں "مصلون" یعنی نمازیوں کا ذکر ہے جو کہ اسم فاعل مشتق ہے اور مشتق پر جب کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو عموماً اس کا ماخذ اشتقاق ہی اس حکم کی

---

[1] لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ،كتاب الفتن،باب لا تقوم الساعة إلا على شرار الناس، ج١ص٣٢٧.

علت وبنیاد ہوتی ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ "صلاۃ" کی پوری طرح پابندی کرنا، اس کے تقاضوں پر عمل کرنا ایسا کام ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی شخص شرک میں مبتلا نہیں ہوگا، مثلاً جب کوئی شخص دن میں پانچ سے زیادہ بار استحضار وفہم کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کا ورد کرتا ہے اور اسی کے ساتھ عبادت واستعانت کی تخصیص کرتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو استحضار وفہم کی نعمت سے نوازا ہے تو وہ اس کے ہوتے ہوئے کیونکر شرک میں مبتلا ہو سکتا ہے!

علامہ مظہری رحمہ اللہ اشکال وجواب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فإن قيل: قد ارتد جماعةٌ من جزيرة العرب إلى الكفر، فكيف يكون وجه استقامة هذا الحديث؟. قلنا: لم يقل رسول الله عليه السلام إنهم لم يرتدوا إلى الكفر، بل قد أيس الشيطان أن يرتد أهل جزيرة العرب إلى الكفر، فيجوز أن ييأس إبليس عن ارتدادهم، ويرتد بعضهم بعد ذلك؛ لأن إبليس لا يعلم ما يحدث في المستقبل، ويحتمل أن يريد رسول الله عليه السلام بهذا الحديث حكمَ أكثر؛ لأن مَن ارتد منهم قليلٌ، والحكم للكثير، ويحتمل أن يريد بالمصلين: الدائمين على الصلاة عن اعتقادٍ صادقٍ ونيةٍ خالصة، ومَن ارتد من أهل جزيرة العرب لم يكن بهذه الصفة.[١]

ترجمہ: اگر کوئی یہ کہے کہ جزیرہ عرب میں سے ایک جماعت مرتد ہوئی تو پھر یہ حدیث مبارک کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تو یہ نہیں

---

[١] المفاتيح في شرح المصابيح، كِتابُ الإيمَان فصل في الوَسْوَسة، ج١ص١٦٤.

فرمایا کہ کوئی مرتد نہیں ہو سکتا، بلکہ (مطلب یہ ہے کہ) شیطان اہلِ جزیرہء عرب کے کفر کی طرف ارتداد سے مایوس ہوا، اور یہ ممکن ہے کہ ابلیس ان کے ارتداد سے مایوس ہوا ہو اس کے باوجود کچھ لوگ مرتد ہو جائے، ایسا ممکن ہے کیونکہ ابلیس کیا جانے کہ مستقبل میں کیا ہو گا؟ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کا اس حدیث سے مراد اکثر کا حکم بیان کرنا تھا اس طرح جو مرتد ہوئے وہ بہت کم تھے، اور حکم اکثر کے لئے تھا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ مصلین سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز پر سچے اعتقاد اور خالص نیت کے ساتھ دوام کرتے ہوں، اور جزیرہء عرب کے جو لوگ مرتد ہوئے وہ اس طرح نہیں تھے۔

امت کے متعلق شرک کا اندیشہ

یہاں تک تو ان روایات کے متعلق گفتگو تھی، رہی یہ بات کہ امت محمدیہ کے متعلق شرک میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے کچھ اسباب وعناصر ہوتے ہیں، جہاں جس درجہ میں اسباب وعناصر موجود ہوتے ہیں وہاں اسی کے مطابق نتائج وثمرات بھی ظاہر ہوتے ہیں، شرک کے اسباب ودواعی متعدد ہیں مثلاً اللہ تعالی کی صفات وعظمت سے جہل یا غفلت، شیطان کی تسویل واغواء، مادیت پرستی وغیرہ، یہ اسباب پہلے دور کی بنسبت آج کہیں زیادہ ہیں تو ان کی کثرت کے ہوتے ہوئے شرک کا خطرہ کیوں ٹل سکتا ہے؟

رہا یہ قضیہ کہ حضور ﷺ نے اس کا اظہار فرمایا تھا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اندیشہ کے اظہار کے مختلف طریقے ہوتے ہیں ہر جگہ اندیشہ ہونے کی صراحت ضروری نہیں ہوتی بلکہ بعض مرتبہ ایک چیز کا زیادہ اہتمام کرنا بھی اس

بات کا قرینہ ہوتا ہے اور شرک کی مذمت و ممانعت کے متعلق قرآن وحدیث میں جس قدر اہتمام کیا گیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، لہٰذا یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کو امت کے متعلق شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

اس کے علاوہ خود حضور ﷺ نے اپنی امت میں سے بعض لوگوں کے مشرک ہو جانے کی پیش گوئی بھی فرمائی ہے چنانچہ علامہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ایک طویل مرفوع روایت نقل فرمائی ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

ولن تقوم الساعة حتى تلحق قبائل من أمتي بالمشركين، وحتى تعبد قبائل من أمتي الأوثان.[1]

ترجمہ: قیامت اس وقت قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ میری امّت کے کچھ قبائل مشرکین کے ساتھ مل کر کچھ قبائل بتوں کی عبادت نہ کریں۔

حاکم اور امام ذہبی رحمہما اللہ دونوں کی تحقیق کے مطابق یہ روایت صحیحین کی شرط پوری اترتی ہے۔

کیا شرک بت کے ساتھ مخصوص ہے

شرک سے متعلق ایک عمومی غلط فہمی جو بہت سے عوام اور بعض علماء میں مشہور ہے وہ یہ ہے کہ شرک کو بت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اگر اللہ تعالی کی صفات مختصہ بت کے لئے کوئی ثابت کرے تو وہ مشرک ہے لیکن اگر وہی صفات

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم ،كتاب الفتن والملاحم، ج٤ص٤٩٦ .

بت کی بجائے کسی بزرگ مثلاً حضرات انبیاء کرام علیہم السلام یا حضرات اولیاء اللہ کے لئے ثابت کرے تو وہ مشرک ہیں بلکہ اس کو محبت و تعظیم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شاید بزرگان دین کو غیر اللہ خیال نہیں کیا جاتا۔

حالانکہ یہ محض سفسطہ ہے اور بجائے خود ناقابل فہم بات ہے کیونکہ:

الف: شرک پرستی کی ابتدا اسی تصور سے ہوئی تھی، سورۃ نوح میں جن پانچ بتوں کا ذکر ہے وہ اللہ کے نیک بندے ہی تھے جن کو بالآخر عبادت کا مستحق سمجھ کر بت پرستی کی بنیاد رکھی گئی۔

ب: حضرت عیسیٰ وعزیر علیہما الصلاۃ والسلام کی عبادت بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں شرک ہی ہے حالانکہ یہ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کے مسلم نبی تھے۔

ج: شرک کا دار مدار اپنے مفہوم پر ہے جہاں یہ مفہوم پایا جائے اس کو شرک کہا جائے گا اور مفہوم کی حد تک اس میں بت وغیرہ کی کوئی تفریق نہیں ہے کہ بت کے لئے صفات خداوندی ثابت کرنا تو شرک ہو اور اولیاء و بزرگان دین کے لئے ماننا شرک نہ ہو۔

شرک اور مساوات کا اعتقاد

شرک کے متعلق دوسری بڑی غلط فہمی جو بہت سے لوگوں کو پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ شرک کے لئے مساوات ضروری خیال کرتے ہیں یعنی شرک وہاں متحقق ہوگا جہاں کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفات واختیارات میں برابر تصور کرلیا جائے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی غیر اللہ کو ایک خاص حد تک نفع وضرر کا مالک سمجھتا ہے یا کسی خاص شعبہ کا قادر و متصرف خیال کرتا ہے تو وہ شرک نہیں ہے۔

یہ بات قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے، کیونکہ:

الف: دو یا زیادہ اشیاء کے درمیان صفات میں مساوات کی دو صورتیں ہیں: کمیت میں مساوات، کیفیت میں مساوات۔ حقیقی مساوات یہی ہے کہ کمیت و کیفیت دونوں میں ہو، صرف کمیت یا محض کیفیت میں مساوات حقیقی مساوات نہیں ہے، اور شرک کی کوئی ایسی صورت جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے علاوہ کسی میں ایسے حقیقی مساوات کا اعتقاد ہو، دنیا میں نہایت کمیاب ہے، صرف مجوسی خیر وشر کے لئے دو مستقل خدا یعنی یزدان واہرمن کے قائل ہیں لیکن دنیا میں چونکہ خیر وشر کا تناسب بھی یکسا نہیں ہے اس لئے حقیقی مساوات کے وہ بھی قائل نہیں ہیں، حالانکہ قرآن وحدیث میں مختلف اقوام کو مشرک قرار دیا گیا۔

ب: مشرکین مکہ کا شرک مسلم ہے حالانکہ وہ مساوات کے بالکل قائل نہیں تھے نہ کمیت کے لحاظ سے نہ کیفیت میں، اسی لئے تو انہوں نے ایک دو کی جگہ سینکڑوں بت رکھے تھے، ہر بت کا اپنا دائرہ کار ہوتا تھا حالانکہ اگر شرک کے لئے کمیت یا کیفیت کسی بھی لحاظ سے مساوات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا تو پھر ضروری تھا تو وہ مشرک قرار نہ پاتے بلکہ اس صورت میں تو شرک میں بھی توحید لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ہی چیز کو شریک قرار دیا جائے ورنہ اگر خدائی کے آدھے یا کچھ اختیارات میں ایک سے زیادہ چیزوں کو شریک کیا جاتا تو وہ شرک نہ ہوتا۔

ج: شرک کے لغوی مفہوم کے لئے یہ شرط ہے نہ ہی شرعی مفہوم کے لئے ایسا کوئی ضروری ہے، چنانچہ اصطلاحی فقہی شرکت میں بھی نہ سرمایہ میں برابری ضروری ہے نہ منافع میں اسی طرح توحید وشرک کے باب میں بھی ایسی کوئی شرط

قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہے اور اصولی لحاظ سے ان جیسے امور میں لغوی مفہوم ہی کالحاظ رکھاجاتا ہے اور اس میں اپنی طرف سے کوئی شرط عائد کرنا جائز نہیں ہوتا، "اشباہ" میں ہے:

لأن هذه الكلمات في العرف والعادة تستعمل في الأمانات، ومطلق الكلام يحمل على العرف.[1]

ترجمہ: اس لئے کہ یہ کلمات عرف وعادت میں امانات کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اور مطلق کلام عرف پر حمل کیا جائے گا۔

قرآن وحدیث کے بغیر کسی شرط کے عائد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں وہ شرط موجود نہ ہو وہاں حکم بھی نہیں ہوگا حالانکہ نص اپنے عموم کی وجہ سے اس کو شامل تھی اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ حکم ثابت کیا جائے اس لئے کسی شرعی دلیل کے بغیر ایسی شرط لگانا شرعاً اور اصولاً غلط ہوتا ہے جس سے بعض صورتوں میں حکم کی تعطیل لازم آجاتی ہے۔

قرآن کریم میں ایک جگہ مشرکین کے اعتراف جرم کے ضمن میں یہ بات بھی ذکر ہے کہ وہ کہیں گے:

إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (الشعراء،۹۸)

ترجمہ: کیونکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر کیا کرتے تھے۔

---

[1] تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبي ج٥ص ٧

اس سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ شرک کے لئے مساوات ضروری ہے کہ شریک کواللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر اعتقاد کیا جائے،

کیونکہ تقریباً تمام مفسرین نے ذکر فرمایا ہے کہ یہاں تسویہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح غیر اللہ کی تعظیم وعبادت کی جائے یعنی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دیگر صفات مختصہ کے صرف نفس ثبوت میں غیر اللہ کواللہ تعالیٰ کے برابر سمجھے، یہ معنیٰ بالکل نہیں ہے کہ کمیت و کیفیت کے لحاظ سے تمام صفات مختصہ میں مساوات ہو، اگر یہ فرض بھی کیا جائے تو اس سے اشتراط مساوات پر استدلال کرنا اس لئے غلط ہے کہ مشرکین کی اس بات کی حیثیت ایک واقعہ کی ہے جس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ شرک صرف اسی صورت میں منحصر ہے اور اعتقادِ مساوات، شرک کے لئے شرط ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم أنه ليس في العالم أحد يثبت لله شريكا يساويه في الوجود والقدرة والعلم والحكمة، وهذا مما لم يوجد إلى الآن لكن الثنوية يثبتون إلهين: أحدهما: حليم يفعل الخير والثاني: سفيه يفعل الشر، وأما اتخاذ معبود سوى الله تعالى ففي الذاهبين إلى ذلك كثرة.[١]

ترجمہ: اس کائنات میں ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قدرت، علم، حکمت میں کسی کو برابر سمجھ کو شریک کرتا ہو بظاہر موجود نہیں، البتہ مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں: ایک ان میں حکیم ہے جو خیر کے کام کرتا ہے، دوسرا بے وقوف ہے جو شر کے کام

---

[١] مفاتيح الغيب، ج٢ص ٣٤٤.

انجام دیتا ہے، ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر مختلف چیزوں کی عبادت کرنے والوں کی کثرت ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

فاعلم أن الشرك لا يتوقف على أن يعدل الإنسان أحدا بالله، ويساوي بينهما، فلا فرق، بل إن حقيقة الشرك أن يأتي الإنسان بخلال وأعمال (خصها اللهّ بذاته العلية، وجعلها شعارا للعبودية) ، لأحد من الناس، كالسجود لأحد، والذبح باسمه، والنذر له، والاستغاثة به في الشدة، واعتقاد أنه حاضر ناظر في كل مكان، وإثبات قدرة التصرف له، وكل ذلك يثبت به الشرك، ويصبح الإنسان به مشركا، وإن كان يعتقد أن هذا الإنسان، أو الملك أو الجني الذي يسجد له، أو يذبح، أو ينذر له، أو يستغيث به، أقل من اللهّ شأنا، وأصغر منه مكانا، وأن اللهّ هو الخالق، وهذا عبده وخلقه، لا فرق في ذلك بين الأولياء والأنبياء، والجن والشياطين، والعفاريت، والجنيات، فمن عاملها هذه المعاملة كان مشركا.[1]

ترجمہ: واضح رہے کہ شرک اس بات پر موقوف نہیں کہ انسان کسی کو اللہ کا ہم پلہ بنادے اور دونوں میں برابری کرے (اور کہے کہ دونوں میں) کوئی فرق نہیں، بلکہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ایسے اوصاف و اعمال کرے (جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتِ عالی کے ساتھ مختص کیا ہو، اور انہیں بندگی کا شعار بنایا ہو) لوگوں میں سے

---

[1] رسالة التوحيد المسمى بـ تقوية الإيمان، حقيقة شرك أهل الجاهلية وضلالهم،ص٥٤.

کسی کے واسطے، جیسے کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام ذبح کرنا، اس کے لئے نذر ماننا، مشکل میں مدد کے لئے اس کو پکارنا، اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر (موجود اور دیکھنے والا) ہے اور اس کے لئے تصرف کی قدرت ثابت کرنا، ان سب کے ارتکاب سے شرک ثابت ہوتا ہے، اور اس سے انسان مشرک ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا اعتقاد یہ ہو کہ یہ انسان، یا فرشتہ یا جن جس کو وہ سجدہ کر رہا ہے، یا جس کے لئے ذبح کر رہا ہے، یا نذر مان رہا ہے یا مدد مانگ رہا ہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ سے شان میں کم تر ہے اور اس کا مرتبہ اس سے بہت کم ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے اور یہ اس کا بندہ اور مخلوق ہے، اس حکم میں اولیاء، انبیاء، جن و شیاطین، بڑے جنات اور مؤنث جنات کے ما بین کوئی فرق نہیں، پس جو بھی ان کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو گا۔

ذاتی وعطائی صفات کی تقسیم

اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو صفات مختص ہیں غیر اللہ کے لئے ان میں سے کوئی صفت ثابت کرنا تو بلاشبہ شرک ہے لیکن کیا اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ماسوی اللہ کے لئے کوئی صفت اسی معنٰی میں اور انہی تفصیلات کے ساتھ ثابت کی جائے جس معنٰی میں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے یا یہ قید ضروری نہیں ہے بلکہ کوئی بھی صفت مختصہ ہو تو غیر اللہ کے لئے اس کا اثبات شرک کہلائے گا؟ مثال کے طور پر کائنات کی تدبیر اور اس میں تصرف کرنا، یہ ایک ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کے لئے یہی صفت ثابت کرتا ہے تو یہ شرک ہو گا یا یہ تفصیل ضروری ہے کہ جس معنٰی و تفصیل میں تدبیر و تصرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے انہی کیفیات کے ساتھ غیر اللہ کے لئے یہ صفت ثابت کی

جائے تو شرک ہوگا ورنہ تو شرک نہیں ہوگا لہٰذا اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بزرگ کو کائنات میں مستقل تصرف وتدبیر کرنے کا اختیار سونپا ہے تو اس دوسری توجیہ کے مطابق اس کا یہ اعتقاد شرک نہیں کہلائے گا کیونکہ شخصِ مذکور غیر اللہ تعالیٰ کے لئے یہ صفت عطائی مانتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے لئے عطائی نہیں بلکہ ذاتی طور پر یہ صفت ثابت ہے۔

یہ ایک ایسی بحث ہے کہ علم کلام وغیرہ کی کتابوں میں تلاش کرنے اور ٹٹولنے کے باوجود ایسا کوئی سراغ نہیں ملا جہاں مستقل مبحث کے طور پر اس کو ذکر کیا گیا ہو یا اس میں متکلمین میں سے کسی نے کوئی اختلاف کیا ہو اس لئے عموماً کتب کلامیہ میں اس پر استدلال کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی ۔لیکن بدقسمتی سے ماضی قریب میں ہندوستان میں بعض عناصر کی وجہ سے یہ بحث عروج پر پہنچ گئی جس کا تسلسل آج تک برابر جاری ہے اس لئے اس پہلو کے متعلق کچھ تفصیلی بات کرنے کی ضرورت ہے، جس کے لئے پہلے ان اہلِ علم کی چند عبارات نقل کرتے ہیں، جو اس تقسیم کو ضروری سمجھتے ہیں اور غیر اللہ کے لئے عطائی طور پر کسی صفت خداوندی کے ثابت کرنے کو شرک نہیں قرار دیتے ، اس کے بعد اس بات کی وجوہات ودلائل ذکر کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو صفات مخصوص ہیں، کسی بھی طریقے سے غیر اللہ کے لئے ان کو ثابت کرنا شرک ہے۔

ذاتی اور عطائی صفات کے متعلق چند عبارات

حضرت مولانا احمد سعید کاظمی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ استحقاقِ عبادت کے لئے صفاتِ مستقلہ لازم ہیں ۔۔اس بیان کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ کسی مسلمان پر ہر گز حکم شرک نہیں لگتا تاوقتیکہ وہ غیر اللہ کے لئے وجوب وجود یا کوئی صفت مستقلہ مناط استحقاق عبادت ثابت نہ کرے، یہی وجہ ہے کہ جمہور متکلمین نے معتزلہ کو مشرک نہیں کہا حالانکہ وہ بندہ کو خالق افعال مان کر اس کے لئے صفت خالقیت ثابت کرتے ہیں جو صفت مستقلہ ہونے کی صورت میں مناطِ استحقاق عبادت ہے لیکن چونکہ وہ بندے کو مستقل بالذات خالق نہیں مانتے اس لئے انہیں مشرک قرار نہیں دیا گیا۔" ۱

حضرت مولانا اشرف سیالوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"شرک اس صورت میں متحقق ہوتا ہے جب کسی بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی صفت میں شریک ٹھہرایا جائے، تو جس طرح صفت اللہ تعالیٰ کی ہے اسی طرح غیر میں مانو تو شرک ہے ورنہ شرک نہیں، اللہ تعالیٰ کا حاضر وناظر ہونا، عالم الغیب ہونا، اور قدرت و قوت اور تدبیر و تصرف ذاتی صفات ہیں اور غیر میں ان کا وجود و تحقق اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے، لہذا عطائی صفات ذاتی صفات و کمالات کے مقابلہ میں کالعدم ہوتے ہیں اور یہاں شرک و کفر کا ارتکاب ہر گز نہیں ہو سکتا ۲۔

مولانا مفتی محمد امین صاحب لکھتے ہیں:

"قرآن وحدیث اور نبیوں ولیوں کا یہ نظریہ ہے کہ غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر ماننا غیر اللہ کے لئے کوئی صفت ذاتی غیر عطائی ماننا، غیر اللہ کو مستحق عبادت ماننا، یہ شرک ہے لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی یا ولی کو علم یا اختیار یا تصرف عطاء کرے، یہ ہر گز شرک نہیں

---

[1] مقالات کاظمی، ج2ص85

۲ گلشن توحید ورسالت، ج ا ص ۵۴۳

ہے۔خارجیوں کا نظریہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے اختیار یا تصرف ماننا شرک ہے اور وہ کافروں اور بتوں کے بارے میں نازل شدہ آیات مبارکہ کو ایمان والوں(نبیوں ۔ولیوں) پر چسپاں کرتے ہیں۔" ۱

ڈاکٹر اسرا احمد صاحب مرحوم نے بھی اپنے ایک کتابچہ میں اس کے قریب قریب بات ذکر فرمائی ہے:

"اس حوالہ سے جان لیجئے کہ جب بھی کوئی لفظ اللہ تعالی کے لئے بطور وصف یا صفت بولا جائے تو مذکورہ بالا تین تصورات ذہن میں مستحضر رہیں کہ ۱ :اللہ تعالی کی وہ صفت یا وصف قدیم ہے اس میں حدوث کا کوئی شائبہ نہیں۔ ۲ : وہ ذاتی ہے کسی کا عطا کردہ نہیں، اور ۳۔ وہ مطلق اور لا متناہی ہے اس میں کہیں کوئی حد و نہایت نہیں ہے، اس کے بر عکس جب وہی لفظ ہم مخلوقات میں سے کسی کے لئے بطور صفت یا وصف بولیں گے تو وہاں یہ تین تصورات ملحوظ رہیں گے کہ جیسے وہ چیز خود حادث ہے ویسے ہی اس کی وہ صفت بھی حادث ہے، جیسے اس کا وجود عطائی ہے ویسے ہی اس کی صفت بھی عطائی ہے اور جیسے اس کا وجود محدود ہے ویسے ہی اس کی صفت بھی محدود ہے تو یہ تینوں تصورات اگر ہر وقت مد نظر رہیں تو صفات کے معاملہ میں آدمی شرک میں مبتلی نہیں ہوگا۔" ۲

اس کے بعد "علم غیب" کے مسئلہ میں انہی "تین تصورات" کو ذکر کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس میں شرک کی کوئی بات نہیں۔

---

[1] تعارف تقویۃ الایمان، ص ۳٦

[2] حقیقت واقسام شرک، ص ۵۲

اس تقسیم کے درست نہ ہونے کی وجوہات

قرآن وسنت نے جس چیز کو شرک سمجھ کر منع کیااور مختلف انداز میں اس کی مذمت مخاطبین کی دلوں میں بٹھائی، وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے کہ جس کا مفہوم کسی کو معلوم نہ ہو بلکہ جو لوگ قرآن کے مخاطب تھے وہ بخوبی اس چیز اور اس کے مفہوم وحدود کو اچھی طرح جانتے تھے،اس کے بعد سلف صالحین کا دور آتا ہےاور اس کے بعد سے لیکر قریب دور تک جبکہ ہندوستان میں اس بحث کو فروغ نہیں ملا، اس طویل دور میں کافی تلاش کرنے کے باوجود کہیں یہ بات سامنے نہیں آئی کہ شرک کے مصداق مقرر کرنے میں یہ قضیہ اٹھاہو، معتزلہ کے خلق افعال کے متعلق اعتقاد سے اور شرح عقائد نسفیہ کی ایک آدھ عبارت سے یہ استدلال کیا جاتاہے (جس کا تفصیلی تجزیہ مستقل عنوان کے تحت ان شاء اللہ ذکر کر دیا جائے گا) لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ مسئلہ کبھی محل نزاع نہیں بنابلکہ مجموعی طور پر جن اہل علم نے بھی شرک کی تعریف کی ہے یا توحید وغیرہ مسائل کے ضمن میں اس کے متعلق کچھ وضاحتی کلام کیاہے اس کا مجموعی حاصل یہی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں یاان صفات وافعال میں کسی غیر اللہ کو شریک کار ٹھہرایاجائے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہو، آگے یہ قید نہیں لگائی جاتی کہ محض صفت مخصوصہ کا غیر اللہ کے لئے اثبات شرک نہیں ہے بلکہ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اسی تفصیل وتشریح کے ساتھ ثابت کی جائے جس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے یہ بجائے خود ایک مستقل قرینہ ہے کہ یہ قید کوئی ضروری نہیں۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناءپر بھی یہی نتیجہ واضح ہوتا ہے:

الف: لغتِ عرب میں لفظ شرک کا جو مفہوم ہے اس میں بلا شبہ یہ قید ضروری نہیں ہے، اگر شرعی لحاظ سے اس قید کو ضروری قرار دیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو قرآن وحدیث میں اس کی صاف صاف وضاحت کی گئی ہو گی یا اجماع وقیاس کی رو سے اس قید کو بڑھانا ضروری ہو گا یا تحقق شرک کے لئے اس قید کے نہ بڑھانے کی صورت میں نصوص واحکام کے درمیان کوئی تعارض لاینحل پیدا ہو گا جس کی وجہ سے جمع وتطبیق کے لئے اس قید کی ضرورت در پیش ہوئی ہو گی؟

قرآن وسنت میں تو صراحۃً ایسی کوئی قید موجود نہیں ہے، اجماع بھی اس سے خاموش ہے چنانچہ اجماعیات پر لکھی جانے والی کتابوں میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے نہ دیگر کلامی یا فقہی وغیرہ کتابوں میں اس پر اجماع کی تصریح سامنے آئی ہے، قیاس واجتہاد کا یہ محل نہیں ہے کیونکہ قیاس کی بناء پر ابتداءً کسی حکم شرعی کے لئے کوئی شرط مقرر کرنا درست نہیں ہے، "اصول بزدوی" میں ہے:

وإذا ثبت ذلك قلنا إن جملة ما يعلل له أربعة أقسام إثبات الموجب أو وصفه وإثبات الشرط أو وصفه وإثبات الحكم أو وصفه والرابع هو تعدية حكم معلوم بسببه وشرطه بأوصاف معلومة والتعليل للأقسام الثلاثة الأول باطل.[1]

ترجمہ: تمام وہ احکام جن کے لئے علّت بیان کی جاتی ہے ان کی چار قسمیں ہیں: مقتضی یا اس کے وصف کو ثابت کرنا، شرط یا اس کے وصف کو ثابت کرنا، حکم یا اس کی وصف کو ثابت کرنا اور چوتھا یہ کہ حکمِ معلوم کو اس کے سبب اور شرط کی وجہ سے معلوم

[1] أصول البزدوي مع كشف الأسرار، باب حكم العلة، ج٣ص٣٩٠.

اوصاف کے ساتھ منتقل کیاجائے اور پہلے تین قسموں کے لیے نص میں تعلیل کرنا باطل ہے۔

ب: مشرکین مکہ بالاتفاق مشرک تھے اور قرآن کریم میں خصوصیت کے ساتھ ان کے لئے لفظ شرک بار بار استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ دیکھا جائے تو وہ بھی بُتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جیسا معاملہ نہیں کرتے تھے اور الوہیت کی صفات بُت وغیرہ کے لئے بعینہ اس طرح ثابت نہیں مانتے تھے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان صفات کا اعتقاد رکھتے تھے بلکہ ان کا اعتراف تھا کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے زمین وآسمان اس کی مخلوق و مملوک ہیں چاند وسورج کا مسخر کرنا اور مینہ برسانا اسی کے قبضہ واختیار میں ہے تمام چیزوں کا مالک ونگہبان وہی ذات ستودہ صفات ہے، البتہ اس نے بعض چیزوں کے اختیارات کسی مخلوق کے سپرد کئے ہے اس لئے ان مخلوقات کی پرستش کر لینی چاہئے اوران سے بھی اپنے نفع وضرر کی بھیک مانگ لینی چاہئے، قرآن کریم میں بھی اس طرح کے مضامین بار بار دہرائے گئے اور عرب کے تاریخ وتراجم کی کتابوں میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں جن کا نقل کرنا طوالت کا موجب ہے، یہاں صرف دو تین آیات کا ذکر کرنا کافی ہے جن سے مشرکین کا تصور واعتقاد معلوم کیا جاسکتا ہے۔

سورۃ یونس میں ہے:

{وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ} [يونس: ۱۸]

ترجمہ: اور اللہ کے سوا اس چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکے اور نہ انہیں نفع دے سکے اور کہتے ہیں اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں کہہ دو کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو جو اسے آسمانوں اور زمین میں معلوم نہیں وہ پاک ہے اور ان لوگوں کے شرک سے بلند ہے۔

سورۃ زمر میں ہے:

{وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ} [الزمر: ۳]

ترجمہ: اور جنہوں نے اس کے سوا اور کارساز بنا لیے ہیں ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں بیشک اللہ ان کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے بیشک اللہ اسے ہدایت نہیں کرتا جو جھوٹا ناشکر گزار ہو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ خود مشرکین جن معبودان کی عبادت کرتے تھے ان کو مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایک وسیلہ کے طور پر ہی ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ بُت اپنے ان عبادت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب کریں گے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شرک کے لئے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ غیر اللہ کے لئے اللہ کی صفات مختصہ ذاتی طور پر ثابت کی جائیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس آیت کے متعلق بعض لوگوں کو یہی اشکال ہوا کہ جب غیر اللہ کو مستقل خدا نہیں مانتے تو مشرک کیوں قرار پائیں؟ اس لئے انہوں نے مشرکین

کے اس قول کی یہ توجیہ کرلی کہ یہ مذاق یا جھوٹ کہا تھا یعنی حقیقت میں مشرکین کا خیال یہ نہیں تھا کہ بُت ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کریں گے بلکہ وہ بُت ہی کو اصل اور حقیقی سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل نہ تھے، قرآن کریم میں جو ان کا قول ذکر کیا گیا ہے یہ انہوں نے مذاق کے طور پر کہا یا غلط بیانی سے کام لیکر یہ کہا ورنہ ان کا عقیدہ یہ نہ تھا۔

"مفاہیم یجب ان تصحح" میں ہے:

"وهنامهمة لا بدّ مِن بيانها ، وهي أنّ هذه الأية تشهد بـأنّ أولئـك المشركين ما كانوا جادّين فيما يحكي ربُّنا عنهم مِن قـولهم مسـوّغين عبادة الأصنام.[1]

ترجمہ: یہاں ایک اہم بات کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ یہ آیت اس بات پر گواہ ہے کہ مشرکین بتوں کی عبادت کو جائز سمجھنے میں سنجیدہ نہیں تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے حکایت فرمائی ہے۔

حضرت مولانا اشرف سیالوی صاحب نے بھی اپنی کتاب "گلشن توحید و رسالت" میں ایک جگہ یہی میلان ظاہر فرمایا ہے۔

اس توجیہ پر غور کرنے کے باوجود یہی معلوم ہوا کہ یہ توجیہ یہاں کسی طرح ممکن نہیں ہے نہ ہی مفید ہے، قرآن کریم نے مشرکین کی ایک بات نقل کر کے اس کا جواب دیا۔ ۱

---

[1] مفاهيم يجب ان تصحّح، ص١٠٠.

سیاق وسباق میں اس بات کا کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ یہ بات بطورِ مذاق یا جھوٹ کہی گئی تھی، اگر یہ مذاق ہی تھا تو:

الف: اولاً تو سیاق وسباق میں اس پر کوئی قرینہ چاہئے تھا جس طرح کہ قرآن کریم کا معمول ہے۔

ب: جب بات کی نوعیت مذاق یا جھوٹ ہی کی تھی تو اس کو ذکر کرنے کی اور پھر جواب دینے کی کیا ضرورت تھی؟

ج: نیز مشرکین مکہ کی تاریخ دیکھنے، ان کی عادات واطوار ملاحظہ کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا اعتقاد یہی تھا جو اس آیت مبارکہ میں ان کی طرف منسوب ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس پر کافی تفصیل سے کلام کیا ہے اور پوری وضاحت کے ساتھ ان کے نظریات واعتقادات کو ذکر کیا ہے جس کو ملاحظہ کرنا مفید ہے۔

د: قرآن کریم نے جو مختلف انواع واسالیب کے ساتھ مشرکین اور ان کے شرک کی تردید ومذمت کی ہے اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کا اعتقاد یہی تھا اور بُتوں کی عبادت وہ الہ اکبر کی طرف تقرب وتوسل کے لئے ہی کرتے تھے، مثلاً اسی سورۃ زمر میں ہے:

---

[1] چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ وغیرہ مفسرین نے بجا طور پر ذکر فرمایا ہیں کہ آیت کریمہ کا اگلا حصہ یعنی "ان اللہ یحکم" مشرکین کی بات کا حکیمانہ جواب ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ (٤٣) قُلْ لِلهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ [الزمر: ٤٣، ٤٤]

ترجمہ: کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں کہہ دو کیا اگرچہ وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ۔ کہہ دو ہر طرح کی حمایت اللہ ہی کے اختیار میں ہے آسمانوں اور زمین میں اسی کی حکومت ہے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

یہاں مشرکین کا کوئی قول ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ان کے ایک غلط اعتقاد کا ذکر کرکے تردید کی گئی کہ اللہ تعالیٰ سے سفارش وشفاعت کے لئے غیر اللہ کو معبود پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

يقول تعالى ذكره: أم اتخذ هؤلاء المشركون بالله من دونه آلهتهم التي يعبدونها شفعاء تشفع لهم عند الله في حاجاتهم. وقوله: (قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلا يَعْقِلُونَ) يقول تعالى ذكره لنبيه محمد صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قل يا محمد لهم: أتتخذون هذه الآلهة شفعاء كما تزعمون ولو كانوا لا يملكون لكم نفعا ولا ضرا، ولا يعقلون شيئا، قل لهم: إن تكونوا تعبدونها لذلك، وتشفع لكم عند الله، فأخلصوا عبادتكم لله، وأفردوه

بالألوهة، فإن الشفاعة جميعا له، لا يشفع عنده إلا من أذن له، ورضي له قولا.[١]

ترجمہ: اللہ کے ساتھ شریک بنانے والوں نے اس کے سِوااور ایسے الٰہ بنالئے ہیں جن کی وہ بطورِ شفیع کے عبادت کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالی سے ان کی حاجات کے لئے شفاعت کیا کرینگے۔اور یہ ارشاد: (کہہ دو کیا اگرچہ وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے)اللہ سبحانہ وتعالی اپنے پیغمبر محمدؐ ﷺ کو فرمارہے ہیں کہ :اے محمدؐ ﷺ! ان سے کہ دو کہ: تم اپنے گمان میں ان اٰلِہہ کو شفیع سمجھتے ہوں اگر چہ وہ ان کے لئے نفع، نقصان کا کوئی اختیار نہ رکھتے ہو، نہ ان میں کچھ عقل ہو، ؟ مدوان سے: کہ اگر تم اس واسطے ان کو پوجتے ہوں کہ وہ تمہارے لئے اللہ تعالی سے شفاعت کرے (تو ایسا نہیں ہو گا بلکہ) تم اپنی عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرو، ایک اسی کو الٰہ بناؤ، کہ سب حمایتین اور شفاعتیں اسی کے قبضہء قدرت میں ہیں، اس کے ہاں کوئی شفاعت نہیں کر سکتا سِواء اس کے جس کو وہ حکم دے اور جس کی بات اس کو پسند آئے۔

"سورۃ انعام" میں ہے:

{وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَى مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ} [الأنعام: ٩٤]

ترجمہ: اورالبتہ تم ہمارے پاس ایک ایک ہو کر آگئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ اپنے پیچھے ہی

---

[١] جامع البيان ت شاكر، ج٢١ص٢٩٩.

چھوڑ آئے ہو اور تمہارے ساتھ ان کی سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جنہیں تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔

واضح رہے کہ سورۃ زمر کی اسی آیت کے آخر میں جو یہ فرمایا گیا:

" إِنَّ اللّٰہَ لَا یَہْدِي مَنْ ہُوَ کَاذِبٌ کَفَّارٌ "

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ مشرکین اپنی اس بات میں جھوٹے تھے اور اپنے اعتقاد کی غلط ترجمانی کررہے تھے بلکہ یہاں کذب سے مراد یہ ہے کہ حقیقت اور خارج میں ان کی بات بالکل غلط اور جھوٹ تھی کہ بھلا غیر اللہ کی عبادت کرکے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے ان کا تقرب کیونکر حاصل کیا جاسکتا ہے! یعنی کذب سے مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ بات ان کے اعتقاد کے مطابق نہ تھی بلکہ خارج کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے اس کو کذب قرار دیا گیا۔

مفسرین کی تصریحات

امام طبری رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں ذکر فرماتے ہیں:

(مَنْ ہُوَ کَاذِبٌ) مفتر على الله، يتقول عليه الباطل، ويضيف إليه ما ليس من صفته، ويزعم أن له ولدا افتراء عليه، كفار لنعمه، جحودا لربوبيته.[1]

ترجمہ: (جو جھوٹا ہو) اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہو اس کے بارے میں ڈھکوسلے بناتا ہو، اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتا ہو جو اس میں نہ ہو، اور اس پر جھوٹ بکتا ہوا یہ خیال رکھتا ہو، کہ اس کا بیٹا ہے، اس کی نعمتوں کا ناشکرا ہو، اس کی ربوبیت کا منکر ہو۔

---

[1] جامع البيان، ج٢١ص ٢٥٢.

"تفسیر بغوی" میں ہے:

{إن الله لا يهدي من هو كاذب كفار} لا يرشد لدينه من كذب فقال: إن الآلهة تشفع وكفى باتخاذ الآلهة دونه كذبا [وكفرا][١]

ترجمہ: اللہ تعالی اپنے دین کی طرف اس کی رہنمائی نہیں فرماتے جو جھوٹ بولے اور کہے کہ اٰلہہ میری شفاعت کرینگے اور اللہ کے سِوا اور خدا بنانے پر اکتفاء کرے، جھوٹ اور ناشکری کرے۔

"تفسیر کبیر" میں ہے:

والمراد بهذا الكذب وصفهم لهذه الأصنام بأنها آلهة مستحقة للعبادة مع علمهم بأنها جمادات خسيسة وهم نحتوها وتصرفوا فيها، والعلم الضروري حاصل بأن وصف هذه الأشياء بالإلهية كذب محض.[٢]

ترجمہ: آیت مبارکہ میں جھوٹ سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ جاننے کے باوجود کہ یہ جمادات ہیں ان کی کوئی وقعت نہیں اس کے باوجود وہ ان بتوں کو عبادت کا مستحق سمجھتے حالانکہ انہوں نے خود ان کو تراش کر بنایا ہے، ان کو یہ یقینی علم حاصل تھا کہ ان چیزوں کو الٰہیت کا نام دینا محض جھوٹ ہے۔

---

[١] تفسير البغوي — طيبة ج٧ص ١٠٨

[٢] مفاتيح الغيب، ج٢٦ص٤٢٢.

امام ابو منصور ماتریدی کی تفسیر

امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ نے سورۃ زمر کی اس آیت کی تفسیر کی ہے جس سے یہ ساری باتیں واضح ہو جاتی ہیں، مزید افادے کے لئے ان کی اصل عبارت سپردِ قرطاس کی جاتی ہے:

آپ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

عرفوا أن ما كانوا يعبدون من الأوثان وغيرها ليسوا بآلهة في الحقيقة ولا لهم الألوهية حقيقة، وأن حقيقة الألوهية لله، لكنهم سموها: آلهة؛ لأنهم كانوا يعبدونها، وكل معبود عند العرب إله؛ لأن الإله هو المعبود، وقدروا تسمية كل معبود: إلها؛ لذلك سموها: آلهة وإن عرفوا أن ليست لهذه الأشياء ألوهية حقيقة، وأن ذلك لله عَزَّ وَجَلَّ ثم إن الذي حملهم على عبادة ما عبدوا من دون اللهّ وجهان:

أحدهما: لما لم يروا أنفسهم تصلح لعبادة الإله العظيم أو تقدر على القيام بخدمته، فعبدوا هذه الأشياء رجاء أن تقربهم عبادة هَـؤُلَاءِ إلى اللهّ زلفى، وأن هَؤُلَاءِ شفعاؤهم عنده، وذلك لما رأوا في ملوك الدنيا أن كل أحد لا يجد السبيل إلى خدمة ملوكها، أو لا يقدر على القيام بين يديه والخدمة له، فيخدم من اتصل بالملك ومن عظم قدره ومنزلته عند الملك؛ ليقربه ذلك المخدوم له إلى الملك إذا بدت له الحاجة أو الشفاعة، وعلى ذلك ما ذكر في قصة فرعون أنه كان

اتخذ لقومه أصنامًا يعبدونها من دونه، لما لم يروا كل أحد منهم يصلح لخدمته، وهو ما أغرى قومه على موسى حيث قالوا: (وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ)، ونحو هذا أوجه. والثاني: عبدوهم؛ لما رأوا آباءهم قد عبدوها، وتركوا على ذلك حتى ماتوا، فاستدلوا بتركهم على ذلك على أن اللهَّ قد كان رضي بعبادتهم الأصنام وأمرهم بذلك لقولهم إذا فعلوا فاحشة: (قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللهُ أَمَرَنَا بِهَا)[١]

ترجمہ: کفار یہ جان گئے تھے کہ جن بتوں وغیرہ کی یہ عبادت کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا نہیں، نہ حقیقۃً الوہیت ان کے لئے ثابت ہے، اللہ تعالی کے لئے حقیقی الوہیت ثابت ہے، لیکن ان کو اٰلہہ کا نام اس لئے دیا کہ وہ ان کہ عبادت کرتے تھے اور عرب کہ ہاں ہر معبود الٰہ کہلاتا تھا، کیونکہ الٰہ وہ ہوتا تھا جو معبود ہوتا تھا، انہوں نے ہر معبود کو الٰہ کا نام دینا مقرر کیا تھا، اس لئے ان کو اٰلہہ کہا، اگرچہ وہ جانتے تھے کہ حقیقت میں ان چیزوں کے لئے الوہیت ثابت نہیں اور وہ اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے۔

پھر دو باتیں تھیں جس نے ان کو اللہ کے ماسوا کی عبادت پر ابھارا:

پہلی یہ کہ جب انہوں نے اپنے آپ کو پروردگارِ اعظم کی عبادت وخدمت کے قابل نہیں سمجھا، تو انہوں نے اس امید پر ان چیزوں کی عبادت شروع کی کہ یہ ان کو اللہ سے قریب تر کر دینگے اور اللہ سے ان کے حق میں شفاعت گزار ہونگے، اس کی وجہ یہ تھی کہ جب انہوں نے شاہانِ دنیا کو دیکھا کہ ان تک ہر ایک نہیں پہنچ سکتا کہ اس کے قریب جائے اور اس کی خدمت کرے، اس وجہ سے اس کی خدمت کی جاتی ہیں جو

[١] تأويلات أهل السنة، ج٨ص ٦٥٣.

بادشاہ کے قریب ہو اور جس کی بادشاہ کے ہاں قدر و منزلت زیادہ ہوتا کہ جب اس کو کوئی ضرورت یا سفارش کی حاجت ہو تو وہ مخدوم اس کو بادشاہ کے قریب پہنچائے، جیسا کہ فرعون کے قصہ میں آیا ہے کہ اس نے اپنی قوم کے لئے بت مقرر کئے تھے جب اس نے دیکھا کہ بعض اس کی خدمت کے قابل نہیں وہ اس کے علاوہ ان (بتوں) کی عبادت کرتے تھے، اور یہ بات تھی جس نے اس کی قوم کو موسیٰؑ کے خلاف دھوکہ میں ڈالا اس کے علاوہ اور بھی وجوہات تھیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آباء واجداد کو دیکھا کہ ان کی عبادت کرتے تھے اور موت تک اسی پر قائم رہے یہاں تک کہ موت کے گھاٹ اتر گئے، پس اسی (بتوں کی عبادت) پر رہنے سے انہوں نے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں کی عبادت پر راضی ہے اور ان کو اس کا حکم دیا ہے، جیسا کہ بے حیائی کے ارتکاب کے وقت ان کا قول تھا (انہوں نے کہا کہ ہم نے اس پر اپنے آباء کو پایا اور اللہ نے ہمیں اس حکم کیا)

امام رازی کی تفسیر

امام رازی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وحاصل الكلام لعباد الأصنام أن قالوا إن الإله الأعظم أجل من أن يعبده البشر لكن اللائق بالبشر أن يشتغلوا بعبادة الأكابر من عباد الله مثل الكواكب ومثل الأرواح السماوية، ثم إنها تشتغل بعبادة الإله الأكبر، فهذا هو المراد من قولهم: ما نعبدهم إلا ليقربونا إلى الله زلفى.

واعلم أن الله تعالى لما حكى مذاهبهم أجاب عنها من وجوه: الأول: أنه اقتصر في الجواب على مجرد التهديد فقال: إن الله يحكم

بينهم في ما هم فيه يختلفون واعلم أن الرجل المبطل إذا ذكر مـذهبا باطلا وكان مصرا عليه، فالطريق في علاجه أن يحتال بحيلة توجب زوال ذلك الإصرار عن قلبه، فإذا زال الإصرار عن قلبه فبعد ذلك يسمعه الدليل الدال على بطلانه، فيكـون هـذا الطريـق أفضى إلى المقصود.[١]

ترجمہ: بتوں کے پجاروں کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ بشر (براہ راست) اس کی عبادت کرے، بشر کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کے بڑے عبادت گزاروں کی عبادت میں لگ جائے جیسے ستارے اور سماوی ارواح، پھر یہ الٰہ اکبر کی عبادت کرینگے، یہی ان کے اس قول کا مطلب ہے: کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے، مگر اس لئے کہ ہمیں اللہ سے قریب تر کردے۔

خوب سمجھ لو کہ جب اللہ تعالی نے ان کے مذاہب نقل کئے، تو کئی طرح اس کے جوابات دیئے:

پہلے ان کے جواب میں صرف دھمکانے پر اکتفاء کیا، فرمایا کہ: (اللہ تعالی ان کے مابین فیصلہ کرینگے ان باتوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے تھے) اور یہ بھی سمجھو کہ باطل پرست آدمی جب ایک باطل مذہب ذکر کرے اور اس پر اصرار کرے، تو اس کے علاج کے لئے ایسا حیلہ اختیار کیا جائے کہ اس کے دل سے اس اصرار کو زائل کردے، پس جب اصرار اس کے دل سے ختم ہو جائے، اس کے بعد جب اس کو ایسی دلیل سناؤ کہ اس کے باطل ہونے پر دال ہو، تو یہ طریقہ مقصود کے لئے زیادہ تیر بہدف ثابت ہوگا۔

---

[١] مفاتيح الغيب، ج٢٦ص٤٢١.

شرح مواقف

علامہ عضد الدین ایجی اور علامہ سید شریف جرجانی رحمہا اللہ نے ثنویہ (جو بالاتفاق مشرک ہیں) کے بارے میں تحریر فرمایاہیں کہ وہ اپنے بُتوں کی جو عبادت کرتے تھے تو ان کا غرض یہ نہیں تھا کہ خود یہ بُت خدائی صفات سے متصف ہیں بلکہ حضرات انبیاء کرام، فرشتوں ، نیک لوگوں یا ستاروں کی مورتی کے طور پر بُت بناتے تھےاور اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے ذریعہ کے طور پر ان کی عبادت کرتے تھے۔ شرح مواقف میں ہے:

واعلم أنه لا مخالف في هذه المسألة إلا الثنوية دون الوثنية، فإنهم لا يقولون بوجود إلهين واجبي الوجود ولا يصفون الأوثان بصفات الإلهية وإن أطلقوا عليها اسم الآلهة بل اتخذوها على أنها تماثيل الأنبياء أو الزهاد أو الملائكة أو الكواكب ، واشتغلوا بتعظيمها على وجه العبادة توصلا بها إلى ما هو إله حقيقة.[١]

ترجمہ: واضح رہے کہ دو خداؤں کے ماننے والوں اور بت پرستی کے علمبرداروں کے علاوہ مستقل ایک سے زائد خداؤں کے بظاہر کوئی قائل نہیں، چنانچہ مشرکین بھی دو واجب الوجود خداؤں کے وجود کے قائل نہیں تھے، اور نہ بتوں کو خدائی صفات سے متصف سمجھتے تھے، اگر چہ ان کو معبود کہتے، بلکہ انہوں نے انبیاء کرام، یااولیاء عظام، فرشتوں یاستاروں کی مورتیاں بنائی اور ان کی تعظیم میں عبادت کے طور پر لگ گئے تاکہ اس کے ذریعے حقیقی خداتک پہنچ سکے۔

---

[١] كتاب المواقف،المرصد الثالث في توحيده تعالى ،ج٨ص٩٤،دار الكتب العلمية.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مشرکین مکہ ، جن کا شرک متفق علیہ اور مسلم ہے، وہ بھی ذاتی طور پر اپنے بُتوں میں خدائی صفات کے قائل نہ تھے مگر اس کے باوجود ان کو مشرک قرار دیا گیا۔

مشرکین کے شرک کی نوعیت سے متعلق ایک صحیح روایت

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ مشرکین بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے یہ تلبیہ کہتے تھے:

"لبيك لا شريك لك، قال: فيقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ويلكم، قد قد» فيقولون: إلا شريكا هو لـك، تملكـه ومـا ملـك، يقولون هذا وهم يطوفون بالبيت.[1]

ترجمہ: مشرکین دوران طواف کہتے: اے اللہ میں حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے اسی پر بس کرو، بس کرو) تو وہ مزید کہتے: سِوائے ایک شریک کے کہ وہ تمہارا ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی۔ یہ کہتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔

اس سے مشرکین کا نظریہ واضح ہوتا ہے کہ بُتوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا؟ وہ ان کو اللہ تعالیٰ جیسے صفات واختیارات نہیں دیتے تھے بلکہ اپنے معبوان باطلہ کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کے ماتحت تصور کرتے تھے۔

---

[1] صحيح مسلم،باب التلبية وصفتها ووقتها.

کیا محض عملی عبادت کی وجہ سے مشرکین قرار دیا گیا

یہاں یہ اشکال بھی کیا جاسکتا ہے کہ اعتقاد کی حد تک ان کا اگرچہ یہ اعتقاد تھا لیکن عملی طور پر بھی وہ بُتوں کے سامنے سجدہ وغیرہ عبادت بجالایا کرتے تھے شاید اس لئے ان کو مشرک کہا گیا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت اسی اعتقادِ الوہیت ہی پر متفرع ہوتا ہے، کوئی عقل مند شخص اسی ہستی کی واقعی عبادت پر آمادہ ہو سکتا ہے جس میں صفات الوہیت تصور کرتا ہے، نیز صفات و حقوق الوہیت کے اعتقاد کے بغیر "عبادت" صرف مراسم عبودیت کے ہم معنٰی بن جائے گی جس کی بنیاد پر اشاعرہ کے نزدیک کسی کو مشرک وکافر قرار دینا درست نہیں چنانچہ "شرک فی العبادۃ" کے ضمن میں اس کی تفصیل ذکر کردی جائے گی ان شاءاللہ۔

اس تاویل کے درست نہ ہونے کی تیسری وجہ

ج۔قرآن وحدیث کی روشنی میں بعض ان چیزوں کو بھی شرک ٹھہرایا گیا ہے جن کو "ذاتی طور پر" صفات خداوندی میں شریک وسہیم نہیں کہا جاتا تھا۔یہود کے متعلق اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِّ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ
[التوبة: ۳۱]

ترجمہ:انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کواللہ کے سوا خدا بنا لیا ہے اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی حالانکہ انہیں حکم یہی ہوا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی

کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

اس آیت کریمہ میں احبار ورہبان کی تابع داری کرنے کو "ارباب من دون اللہ" کا موجب قرار دیا گیا اور مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان کو ایک ہی خدا کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ احبار ورہبان کو یہ درجہ دینا ان کی عبادت کرنے کے مترادف ہے، آخر جملہ میں اس کو شرک بھی قرار دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ یہود تحلیل و تحریم کے فیصلوں میں جو احبار ورہبان کی بات کو بلا چون وچرا تسلیم کرتے تھے تو وہ ذاتی طور پر ان کو مستحق عبادت یا واجب الوجود سمجھتے تھے نہ ہی ذاتی (یعنی غیر عطائی) طور پر ان کو حق تشریع سپرد کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود چونکہ کسی چیز کو حرام و حلال قرار دینے کا منصب صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہود نے اپنے احبار ورہبان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا تو ان کے اس اقدام کو غیر اللہ کی عبادت اور شرک قرار دیا گیا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے "بدور بازغہ" میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے ۱۔

اسی طرح قرآن کریم میں شیطان کی اطاعت اور اس کی تابعداری کو بھی موجب شرک قرار دیا، ارشاد باری ہے:

---

[1] دیکھئے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مجموعہ رسائل، ج8 ص451

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُـذْكَرِ اسْـمُ اللهَّ عَلَيْـهِ وَإِنَّـهُ لَفِسْـقٌ وَإِنَّ الشَّـيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُـوهُمْ إِنَّكُـمْ لَمُشْرِـكُونَ [الأنعام: ١٢١]

ترجمہ: اور جس چیز پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس میں سے نہ کھاؤ اور بیشک یہ کھانا گناہ ہے اور بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

نحو و لغت کے ماہر امام ابو اسحق زجاج اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

هذه الآية فيها دليل أنَّ كل مَنْ أَحَلَّ شيئاً مما حرمَ الله عليه أوحـرَّم شيئاً مما أحلَّ الله له فهو مُشرِكٌ. لو أحلَّ الميتة في غـير اضـطرار، أو أحل الزنا لَكان مُشركاً بإجماع الأمَّةِ، وإن أطاع اللهَّ في جميع مـا أمـر به، وإنما سُمِّي مُشْرِكاً لأنه اتبع غير اللهَّ، فأشرك باللهَّ غيره.[١]

ترجمہ: اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو بھی کسی ایسی چیز کو حلال سمجھے جو اللہ نے اس پر حرام کی ہو یا کسی چیز کو حرام کر دے جو اللہ نے اس کے لئے حلال کی ہو تو وہ مشرک ہے۔ چنانچہ اگر اضطراری حالت کے بغیر مردہ جانور کو حلال سمجھے، یا زنا کو حلال سمجھے تو وہ باجماعِ امّت مشرک ہوگا، اگرچہ دیگر تمام مامورات میں اللہ تعالی کی فرمانبرداری کرے، اور اس کو مشرک کہا گیا اس لئے کہ اس نے غیر اللہ کی پیروی کی، پس اللہ کے غیر کو اس کا شریک بنایا۔

تفسیر نسفی میں ہے:

[١] معاني القرآن وإعرابه، ج٢ص٢٨٧.

{إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ} لأن من اتبع غير الله دينه فقد أشرك به.[1]

ترجمہ:(تم بھی مشرک ہو جاؤ گے)اس لئے کہ جو غیر اللہ کے دین کی پیروی کرے پس اس نے اس کے ساتھ شریک بنایا۔

آیت کریمہ کے آخری حصہ میں شیاطین کی تابعداری کرنے والوں کو مشرک قرار دیا گیا جبکہ شیاطین خواہ بشکل جن وانسان ہوں یا بصورت ابلیس، ان کو کوئی بھی ذاتی غیر عطائی اختیارات واحکامات کا مستحق نہیں سمجھتا۔

چوتھی وجہ

ذاتی وعطائی کی اس تاویل کے باطل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے (نعوذ باللہ الکریم) بیٹوں اور بیٹیوں کا عقیدہ رکھنا بلاشبہ شرک ہے، مشرکین اور یہود ونصاریٰ کے شرک کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور یہود ونصاریٰ حضرت عُزیر علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اعتقاد کرتے تھے، حالانکہ غور کیا جائے تو بیٹے ہو یا بیٹیاں، اولاد کے کمالات واختیارات بالکل بھی ذاتی بمعنٰی غیر عطائی نہیں ہوتے، کیونکہ تولد حدوث کے مترادف ہے، لہٰذ حادث اولاد کے اختیارات عطائی ہی ہو سکتے ہیں، لیکن پھر بھی اس کو شرک قرار دیا گیا۔

---

[1] تفسير النسفي ،ج١ص٥٣٣.

امام ابو حنیفہ رح کی تصریح

حضرت ابو مطیع بلخی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

أن تشهد ان لا إله الا الله وحده لا شريك له وتشهد بملائكته وكتبه ورسله وجنته وناره وقيامته وخيره وشره وتشهد انه لم يفوض الأعمال الى احد.[۱]

ترجمہ: ایمان اس بات کی دیناہے کہ اللہ کے سِوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہاہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے فرشتوں، کتابوں، پیغمبروں، جنت اور جہنّم، قیامت اور خیر وشر کی گواہی دے اور یہ گواہی دے کہ اس نے اعمال (کی تخلیق) کسی کے سپرد نہیں کی۔

"تفویض اعمال" کے انکار کرنے سے اصلاً تو قدریہ کی تردید مقصود ہے کہ وہ انسان کو اپنے اعمال وافعال کا خالق اور اس پر قادر سمجھتے ہیں، قاضی بیاضی رحمہ اللہ نے بھی "اشارات" میں اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"تنصيصا في الردّ على القدرية"[۲]

البتہ یہ عبارت اس بات میں بھی صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس نظام عالم کا مدبر ہے یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے خلق وتدبیر سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کارخانہ

---

[۱] الفقه الأبسط، ص: ۹٦.

[۲] اشارات المرام من عبارات الامام، ص٥٤.

عالم کا پورا یا بعض نظم کسی کو مستقل طور پر تفویض نہیں فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت خاصہ کے بغیر مافوق الاسباب کوئی کام کرے، جس طرح کسی غیر اللہ کے متعلق ذاتی طور پر ایسا اعتقاد رکھنا ناجائز اور غلط ہے اسی طرح عطائی طور پر بھی ایسا عقیدہ رکھنا غلط اور بے بنیاد ہی ہے۔

شیعوں کا عقیدہ تفویض

علامہ عبد القاہر بغدادی اور علامہ اسفرائینی رحمہا اللہ وغیرہ نے شیعہ اور قدریہ فرق باطلہ کے تعارف و تفصیل میں ایک مستقل گروہ" مفوضہ " کا ذکر کیا ہے[1] جن کا یہ موقف تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو پیدا فرمایا اور پھر ان کو تخلیقِ عالم کا کام تفویض فرمایا، حضور ﷺ نے عالم کو پیدا کیا اور پھر اس میں تدبیر و تصرف کا اختیار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سپرد کیا اب عالم کا مدبر وہی ہے، اس گروہ کے متعلق تقریباً سب متکلمین کا خیال یہی ہے کہ یہ عقیدہ کفر اور سخت کفر ہے۔

علامہ بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واما المفوضة من الرافضة فقوم زَعَمُوا ان الله تَعَالَى خلق مُحَمَّدًا ثـمَّ فوض اليه تَدْبِير الْعَالم و فَهُوَ الذى خلـق الْعَـالم دون الله تَعَـالَى ثـمَّ فوض مُحَمَّد تَدْبِير الْعَالم الى على بن ابى طَالـب فَهُـوَ الْمُـدبر الثَّالِـث

---

[1] شرح مواقف میں بھی اس فرقہ کا ذکر کیا گیا ہے اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں اس گروہ کا ذکر کیا ہے۔

وَهَذِه الْفرْقَة شَرّ من الْمَجُوس الَّذين زَعَمُوا ان الاله خلق الشَّيْطَان ثمَّ ان الشَّيْطَان خلق الشرور وَشر من النَّصَارَى الَّذين سموا عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَام مُدبرا ثَانِيًا فَمن عد مفوضة الرافضة من فرق الاسلام فَهُوَ بِمَنْزِلَة من عد الْمَجُوس وَالنَّصَارَى من فرق الاسلام.[1]

ترجمہ: اور روافض میں سے مفوّضہ ایسے لوگ ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے محمّد ﷺ کو پیدا فرمایا پھر انتظام عالم ان کے سپرد کیا، پھر آپ ﷺ نے اس کائنات کو پیدا کیا (نعوذ باللہ) پھر آپ ﷺ نے تدبیرِ عالم کا انتظام حضرت علی بن ابی طالب ؓ کو سونپا، چنانچہ اب وہ تیسرے منتظم ہیں۔ یہ فرقہ ان مجوس سے بھی بد تر ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نے شیطان کو پیدا فرمایا پھر شیطان نے برائیوں کو پیدا کیا، اور ان نصاریٰ سے بھی بد تر ہے جنہوں نے عیسیٰ ؑ کو مدبّرِ ثانی کا نام دیا، پس فرقہ مفوّضہ رافضہ کو اسلامی فرقوں میں شمار کرنا مجوس و نصاریٰ کو اسلامی فرقوں میں شمار کرنے کے مترادف ہے۔

علامہ اسفرائینی رحمہ اللہ اس گروہ کا تعارف اور پھر حکم ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاعلم أَن من هَؤُلَاءِ الغرابية قوم يُقَال لَهُم المفوضة كَانُوا يَقُولُونَ إِن الله تَعَالَى خلق مُحَمَّدًا وفوض إِلَيْهِ تَدْبِير الْعَالم فَكَانَ هُوَ الْخَالِق للْعَالم ثمَّ إِنَّه فوض بعده إِلَى عَليّ تَدْبِير الْعَالم فَهَؤُلَاءِ الْقَوْم شَرّ من

---

[1] الفرق بين الفرق،الْفَصْل السَّابِع من هَذَا الْبَاب فِي ذكر الغرابية والمفوضية والذمية وَبَيَان خُرُوجهمْ عَن فرق الامة ص: ۲۳۸.

الْمَجُوس الَّذين قَالُوا إِن الله خلق الشَّيْطَان وفوض إِلَيْهِ الْأَمر فَكَانَ الشَّيْطَان يخلق الشرور لِأَن هَؤُلَاءِ قَالُوا بالتفويض.١

ترجمہ: واضح رہے کہ روافض میں سے ایک فرقہ غرابیہ ہے جن کو مفوّضہ کہا جاتا ہے، وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالی نے محمّد ﷺ کو پیدا فرمایا اور تدبیرِ عالم ان کے سپرد کیا، پس وہ عالم کا خالق تھا، پھر آپ ﷺ نے اس کے بعد حضرت علیؓ کو انتظامِ عالم حوالہ کیا۔ یہ قوم ان مجوس سے بدتر ہے جنہوں نے کہا کہ: اللہ تعالی نے شیطان کو پیدا فرمایا اور معاملہ اس کے حوالہ کیا، پھر شیطان تھا جو برائیوں کو پیدا کرتا تھا، اس لئے کہ انہوں نے تفویض کا قول کیا۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ روافض کے فرقوں میں سے اس گروہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أما المفوضية: فهم القائلون إن الله فوض تدبير الخلق إلى الأئمة، وإن الله تعالى قد أقدر النبي صلى الله عليه وسلم على خلق العالم وتدبيره، وإن كان ما خلق الله من ذلك شيئًا، وكذلك قالوا في حق علي رضي الله عنه.٢

ترجمہ: فرقہ مفوّضیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مخلوق کی تدبیر اماموں کے سپرد کیا ہے، اور اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو عالم کی تخلیق وتدبیر کی قدرت دی اللہ تعالی نے اس بذات خود عالم میں کچھ بھی پیدا نہیں کیا (نعوذ باللہ) اور یہی کچھ حضرتِ علیؓ کے بارے میں بھی کہا۔

---

[١] التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين،ص: ١٢٨.

[٢] الغنية لطالبي طريق الحق،فصل في الرافضة،ج١ص١٨٢.

اس گروہ کی تکفیر پر تقریباً سب متکلمین کا اتفاق ہے حالانکہ وہ ذاتی طور پر غیر اللہ کے لئے خلق وتدبیر کے قائل نہ تھے بلکہ تفویض نام ہی اس کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ اختیارات حاصل ہوئے، جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا کہ خود مشرکین مکہ جن کے مشرک ہونے پر اتفاق ہے ان کا عقیدہ بھی یہ نہ تھا کہ ان کے بُت ذاتی اختیارات رکھتے ہیں بلکہ عطائی اختیارات ہی کے مدعی تھے، امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْمُشْرِكُونَ وافقوا الْمُسلمين فِي تَدْبِير الْأُمُور الْعِظَام، وَفِيمَا أبرم وَجزم، وَلم يتْرك لغيره خيرة، وَلم يوافقوهم فِي سَائِر الْأُمُور، ذَهَبُوا إِلَى أَن الصَّالِحين من قبلهم عبدُوا الله وتقربوا إِلَيْهِ فَأَعْطَاهُمْ الله الألوهية، فاستحقوا الْعِبَادَة من سَائِر خلق الله، كَمَا أَن ملك الْمُلُوك يَخْدمه عَبده، فَيحسن خدمته، فيعطيه خلعة الْملك، ويفوض إِلَيْهِ تَدْبِير بلد من بِلَاده، فَيسْتَحق السّمع وَالطَّاعَة من أهل ذَلِك الْبَلَد.[۱]

ترجمہ: مشرکین نے بڑے امور کی تدبیر میں، مسلمانوں کی موافقت کی، اور ان امور میں جن کا اٹل ویقیناً فیصلہ ہو چکا، کسی اور کے لئے اس میں کوئی اختیار نہیں چھوڑا گیا، اور تمام امور میں ان کی موافقت نہیں کی۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ ان سے پہلے نیک لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کا قرب حاصل کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت عطا کی، پس وہ اللہ تعالیٰ کے تمام مخلوق میں عبادت کے مستحق ٹھہرے، جیسا کہ شہنشاہ کا

---

[۱] حجة الله البالغة، كتاب التوحيد، ج۱ ص۱۱٦.

غلام اس کی خدمت بڑی خوبی کے ساتھ کرتا ہے، تو بادشاہ اس کو شاہی خلعت عطا کرتا ہے اور اس کو اپنی سلطنت میں سے کسی علاقے کا انتظام سپرد کر دیتا ہے، پس وہ اس ملک کے لوگوں سے سمع واطاعت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

غیر اللہ اور صفات الٰہیہ

جو حضرات صفات میں ذاتی اور عطائی کی تقسیم ضروری قرار دیتے ہیں اور غیر اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرح ذاتی طور پر کوئی صفت مختصہ ثابت ہونے کا اعتقاد رکھے تبھی اس کو شرک قرار دیتے ہیں، ان کا بنیادی اشکال یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں کئی ایسے نصوص ہیں جن میں غیر اللہ کے لئے بھی بعض وہی صفات ثابت فرمائی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے لیکن اس کے باوجود وہ شرک تو کیا ہوتا؟ عینِ ایمان کا حصہ ہے جس کا انکار کرنا کفر ہے۔ مثال کے طور پر سمع ، بصر ، رؤوف اور رحیم ، یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جو متعدد نصوص میں مذکور ہیں لیکن ساتھ ہی کئی قطعی نصوص میں یہی صفات غیر اللہ کے لئے بھی ثابت فرمائی گئی ہیں چنانچہ سورۃ دہر میں انسان کو بھی سمیع و بصیر کہا گیا ہے اور سورۃ توبہ کے آخر میں حضور نبی اکرم ﷺ کو رؤوف رحیم فرمایا گیا ہے۔ ان نصوص سے معلوم ہوا کہ مطلقاً صفات الٰہیہ کا غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا تو موجب شرک نہیں ہو سکتا بلکہ کچھ تفصیل ضروری ہے اور وہ تفصیل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ صفات ذاتی طور پر ثابت ہیں جبکہ مخلوق کے لئے عطائی طور پر ان میں سے کوئی صفت حاصل ہو جاتی ہے۔

لیکن یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب خود نص میں کوئی صفت غیر اللہ کے لئے ثابت کی گئی ہے تو وہ صفت مختصہ کیونکر رہی؟اور شرک کا دار مدار تو اسی بات پر ہے کہ صفات مختصہ باللہ تعالیٰ میں سے کوئی صفت غیر اللہ کے لئے ثابت کی جائے جب نص سے معلوم ہوا کہ وہ صفت مختصہ نہیں ہے بلکہ غیر اللہ کے لئے بھی ثابت ہے تو اس کا غیر اللہ کے لئے اثبات کرنا کیسے شرک تصور کیا جاسکتا ہے؟اور اس کو بنیاد بنا کر صفات مختصہ میں ذاتی اور عطائی کی تقسیم کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ متعدد صفات ایسی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن بایں ہمہ نصوص میں وہ غیر اللہ کی طرف بھی منسوب کی گئی ہیں ،مثال کے طور پر مردوں کو زندہ کرنا، مریضوں کو شفاء دینا وغیرہ۔ چنانچہ سیدنا حضرت عیسی (علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والسّلام) کے بارے میں قرآن کریم میں مذکور ہے:

وَرَسُولًا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللهِّ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللهِّ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ [آل عمران: ٤٩]

ترجمہ: اور اس کو بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گا بیشک میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں لے کر آیا ہوں کہ میں تمہیں مٹی سے ایک پرندہ کی شکل بنا دیتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم

سے اڑتا جانور ہوجاتا ہے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کردیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتادیتا ہوں جو کھا کر آؤ اور جو اپنے گھروں میں رکھ کر آؤ اس میں تمہار لیے نشانیاں ہیں اگر تم ایماندار ہو۔

یہی مضمون سورۃ مائدہ کے آخر میں بھی وارد ہوا ہے، وہاں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

إِذْ قَالَ اللّٰہُ یَا عِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِي عَلَیْكَ وَعَلَی وَالِدَتِكَ إِذْ أَیَّدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَى بِإِذْنِي [المائدة: ١١٠]

ترجمہ: جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے میرا احسان یاد کر جو تجھ پر اور تیری ماں پر ہوا ہے جب میں نے روح پاک سے تیری مدد کی تو لوگوں سے گود میں اور ادھیڑ عمر میں بات کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تو مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے بناتا تھا پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا تب وہ میرے حکم سے اڑنے والا ہوجاتا تھا اور مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب مردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتا۔

ان دونوں آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ الصّلاۃ والسلام کے لئے درج ذیل صفات منسوب فرمائی گئیں ہیں:

الف: پرندے کی شکل بناکر اس میں روح پھونکنااور اس کا زندہ ہو جانا۔

ب: نابینااور ابرص کو بیماری سے خلاصی دینا۔

ج: مردوں کو زندہ کرنا۔

د: غیب کی باتوں کا خبر دینا۔

یہ سب صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں لیکن ان جیسی نصوص میں حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے اس کو منسوب فرمایا گیا ہے۔اور مابہ الفرق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر یہ صفات ثابت ہیں جبکہ حضرت عیسی علیہ السلام یادیگر مخلوق کے لئے عطائی طور پر اس کو ثابت مانا جاتا ہے اس لئے ذاتی اور عطائی کی تقسیم کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔

لیکن یہ اشکال بھی درست نہیں ہے اور اس کی بنیاد پر صفات الہیہ مختصہ میں ذاتی اور عطائی کی تقسیم کو ضروری قرار دینا درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں ذاتی اور عطائی کی بجائے استقلال اور غیر استقلال کی تفصیل و تشقیق ضروری ہے جس کی بنیادی وجوہات اسی عنوان کے تحت ذکر کی گئیں ہیں ایک نظر پھر اس کی طرف مراجعت کی جائے اور جس طرح عطائی طور پر کوئی خدا نہیں بن سکتا اور اس کا اعتقاد واضح شرک ہے یوں ہی عطائی طور پر صفات مختصہ باللہ تعالیٰ بھی کسی کے لئے ثابت ماننا غلط ہے۔

درجِ بالا آیات میں بھی اس کی طرف واضح اشارہ ہے چنانچہ سورۃ آل عمران کی جو آیت اوپر ذکر کی گئی ہے وہاں پہلے سے حضرت عیسی علیہ السلام کے زبان مبارک سے یہ اعلان کروایا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ لے کر آرہا ہوں اور

پھر احیاء موتی وغیرہ صفات مختصہ کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور سورۃ مائدہ کی آیت میں "باذن اللہ" کی قید ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہے کہ حضرت عیسی علیہ الصلاۃ السلام کو مستقل طور یہ صفات تفویض نہیں فرمائی گئیں بلکہ مشیت الٰہی سے معجزہ کے طور پر ان سے یہ اہم کام صادر ہوتے رہے۔اور ظاہر ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور اسی کے دستِ قدرت معجزات کی تکیل ہوتی ہے، قرآن کریم میں جابجا مختلف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے زبانی یہ اعلان کروایا گیا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں ہے:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللهَّ يَمُنُّ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهَّ وَعَلَى اللهَّ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ [إبراهيم: ١١]

ترجمہ: ان سے ان کے رسولوں نے کہا ضرور ہم بھی تمہارے جیسے ہی آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہمارا کام نہیں کہ ہم اللہ کی اجازت کے سوا تمہیں کوئی معجزہ لا کر دکھائیں اور ایمان والوں کا بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہیئے۔

سورۃ عنکبوت میں ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللهَّ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ [العنكبوت: ٥٠]

ترجمہ: اور کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں کہہ دو نشانیاں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور میں تو بس کھول کر سنا دینے والا ہوں۔

اسباب میں تاثیر کا عقیدہ

کسی غیر اللہ کو مستقل قادر وخالق سمجھنا ناجائز اور شرک ہے، اس پر یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس جہاں میں اسباب ومسببات کے مختلف سلسلے پیدا فرمائے ہیں جب سبب عمل میں لایا جاتا ہے تو ساتھ اس کا نتیجہ مسبب بھی متحقق ہو جاتا ہے مثال کے طور پر آگ ہے اس کا کام ہے جلانا، اور یہ ہمیشہ یہی کام کرتا ہے جو چیز بھی جلنے کی قابل ہو اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے تو لامحالہ وہ جلے گی ہی، اسی طرح نہر وسمندر ہے جوں ہی کوئی غرقاب چیز اس میں ڈالی جائے گی تو وہ ضرر اس میں ڈوب جائے گی، آنکھ سبب بنتا ہے کسی چیز کے دیکھنے اور اس کی شکل وصورت کے حاصل کرنے کا، اگر آنکھ میں بینائی کی صلاحیت ہے تو جب بھی اس سے کسی چیز کو دیکھا جائے گا تو دیکھنے کا نتیجہ حاصل ہو گا، الغرض اس وسیع عریض کائنات میں اسباب مسببات کا لامتناہی سلسلہ ہے جو صانع حکیم نے پیدا فرمایا ہے، اب جس طرح یہ اسباب اپنے مسببات ونتائج میں مؤثر ہوتے ہیں اور اس میں کسی شرک وکفر کا پہلو نہیں ہے اس طرح اولیاء اللہ اور بزرگان دین سے بھی امداد واستعانت جائز ہے اور وہ حاجت روائی اور مشکل کشائی میں بمنزلہ اسباب ہوتے ہیں، لہٰذا اس کو بھی شرک قرار دینا جائز نہیں ہونا چاہیئے، دونوں جگہ اصل مؤثر اللہ تعالٰی ہے اسی نے سبب کو وجود بخشا ہے۔

اس مسئلہ کی تحقیق اس لئے بھی ضروری ہے کہ حضرت مولانا اشرف سیالوی صاحب نے "گلشن توحید ورسالت" میں اس کو بڑی بسط وتفصیل سے ذکر فرمایاہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ماتریدیہ اور بعض اشاعرہ کے نزدیک اسباب خود مؤثر ہوتے ہیں اور مسببات ونتائج اسباب ہی کے آثار ہیں، جب یہ شرک نہیں ہے تو اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق ایسا اعتقاد رکھنا کیونکر شرک قرار دیا جاتا ہے!

اس بات کو سمجھنے کے لئے اولاً اصل مسئلہ کی ضاحت کی جاتی ہے اس کے بعد اس استدلال کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

اسباب کی تاثیر کے متعلق مختلف اقوال

اسباب اپنے مسببات میں موثر ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر مؤثر ہیں تو اس کی نوعیت کیاہے؟ ہیں، "تہذیب شرح السنوسیۃ" میں ہے:

لا تأثير لشيء من الكائنات في الأسباب العادية وغيرها لا بطبعها ولا بقوة جعلها الله فيها.

ترجمہ: کائنات کے کسی چیز کے لئے عادی وغیرہ اسباب میں کوئی تاثیر نہیں، نہ ان کی طبیعت میں نہ اللہ نے ان میں ایسی کوئی صلاحیت رکھی۔

علامہ بیجوری کی تحقیق

علامہ ابراہیم بیجوری رحمہ اللہ نے اس میں درج ذیل اس کے متعلق متعدد احتمالات ومواقف تحریر فرمائے ہے:

۱۔اسباب بذات خود مؤثر ہیں۔ یہ اعتقاد بلاشبہ کفر ہے۔

٢۔بذات خود مؤثر نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اسباب میں ایک (مستقل) قوت ودیعت فرمائی ہیں جس کی وجہ سے یہ تاثیر کرتے ہیں (اور اپنے مسببات کو وجود میں لاتے ہیں)۔اس کا حکم یہ ہے کہ ایسا اعتقاد فسق وبدعت ہے ،البتہ کیا ایسا اعتقاد رکھنے والا کافر ہو جائے گا یا نہیں؟اس میں دونوں قول ہیں اور راجح عدم کفر ہے لہٰذا تکفیر سے احتراز کیا جائے۔

٣۔اسباب میں تاثیر ذاتی کوئی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اثر وتاثیر پیدا فرماتے ہیں البتہ اسباب اور مسببات میں تلازم عقلی ہے لہٰذا جب بھی سبب وجود میں آئے گا ساتھ مسبب کا وجود بھی لازم ہے، یہ عقیدہ خود کفر تو نہیں ہے لیکن کفر کا ذریعہ بن سکتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے معجزات کا انکار کرنا پڑے گا جس کے کفر ہونے میں شبہ نہیں۔

٤۔اللہ تعالیٰ ہی تاثیر پیدا فرمانے والے ہیں اور اسباب ومسببات کے درمیان تلازم عقلی بھی نہیں ہے بلکہ تخلف ہو سکتا ہے کہ سبب وجود میں آئے لیکن اس پر مسبب ونتیجہ متفرع نہ ہو،یہی بات درست اور موجب نجات ہے۔[١]

علامہ سنوسی اور بیجوری رحمہااللہ وغیرہ نے جس موقف کو اصح قرار دیا اکثر متکلمین کا یہی موقف ہے۔امام ابو بکر باقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ أَبُو بكر فَإِن قَالَ قَائِل خبرونا عَن الْأَلَم الْمَوْجُود عِنْد الضَّرْب وَالْكَسْر الْحَادِث عِنْد الزج وَذَهَاب الْحجر الْمَوْجُود عِنْد الدفعة

---

[١] راجع: تهذيب شرح السنوسية، ص٦٩.

والألم واللذة الحادثين عِنْد الحكة وَغير ذَلِك من الْحَوَادِث الْمَوْجُودَة عِنْد وجود حوادث أخر هَل هِيَ عنْدكُمْ كسب للضارب الدَّافِع على سَبِيل التولد أم مخترعة لله وَغير كسب لأحد من الْخلق. قيل لَهُ بل هِيَ عندنَا مِمَّا ينْفَرد الله تَعَالَى بخلقها وَلَيْسَت بكسب للعباد.١

ترجمہ: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مارتے وقت درد پیدا ہونا، پھینکتے وقت شیشے کا توڑنا، یا خارش وغیرہ کے وقت جو درد یا تکلیف پیدا ہوتی ہے وہ ان لوگوں کا کام ہے یا خدا تعالٰی کا پیدا کردہ ہے اور بندوں کا اس میں کوئی اختیار نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سب اللہ تعالٰی پیدا فرماتے ہیں بندوں کا اس میں کچھ عمل دخل نہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فأما اللازمات التي ليست شرطاً فعندنا يجوز أن تنفك عن الاقتران بما هو لازم لها، بل لزومه بحكم طرد العادة كاحتراق القطن عند مجاورة النار وحصول البرودة في اليد عند مماسة الثلج، فإن كل ذلك مستمر بجريان سنة الله تعالى، وإلا فالقدرة من حيث ذاتها غير قاصرة عن خلق البرودة في الثلج والمماسة في اليد مع خلق الحرارة في اليد بدلاً عن البرودة. فإذاً ما يراه الخصم متولداً قسمان: أحدهما شرط فلا يتصور فيه إلا الاقتران، والثاني ليس بشرط فيتصور فيه غير الاقتران إذ خرقت العادات.٢

---

١ تمهيد الأوائل وتلخيص الدلائل، بَاب الْكَلَام فِي إبطَال التولدص: ٣٣٤.

٢ الاقتصاد في الاعتقاد، القطب الثاني في الصفات،ص: ٥٩.

ترجمہ: پس وہ لازمات جو (ملزومات کے لئے) شرط نہیں، ہمارے نزدیک یہ ممکن ہے کہ اپنے ملزومات کے ساتھ اقتران (اتصال) سے الگ رہے، بلکہ ان کے لزوم کا مطلب یہ ہے کہ عادت یوں ہی جاری ہے، جیسے آگ لگ جانے کے وقت روئی کا جلنا برف چھوتے وقت ہاتھ کا ٹھنڈا ہونا یہ سب اللہ تعالی کی سنت ہونے کی وجہ سے برقرار ہیں، ورنہ قدرت اپنی ذات میں ایسا کرنے سے قاصر نہیں، کہ برف میں ٹھنڈک پیدا کرے اور جب اسے ہاتھ لگاؤ تو ہاتھ میں بجائے ٹھنڈک کے گرمائش پیدا کردے۔ پس خصم کو جو کچھ وجود پزیر نظر آتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: ایک شرط ہے جس میں اقتران کے بغیر (کسی چیز کے وجود کا) تصوّر نہیں، دوسری شرط نہیں ہے اس میں اقتران کے بغیر بھی (کسی چیز کے وجود کا) تصوّر ہو سکتا ہے، جب خلافِ عادت کچھ ہو جائے۔

شرح عقائد کے متن میں ہے:

وما يوجد من الألم في المضروب عقيب ضرب إنسان والانكسار في الزجاج عقيب كسر إنسان كلُّ ذلك مخلوق الله تعالى لاصنع للعبد في تخليقه.

ترجمہ: کسی انسان کے مارنے کے بعد، مارے جانے والے کو جو درد ہوتا ہے، اور کسی کا شیشہ توڑنے سے جو اس میں ٹوٹن پیدا ہوتی ہے، یہ سب اللہ تعالی کا پیدا کردہ ہے، اس کی پیدائش میں بندے کا کوئی عمل دخل نہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مقتول اپنی وقت مقرر پر ہی مرتا ہے اور قتل اس کی موت کی علت نہیں ہے بلکہ:

والموت قائم بالميت مخلوق الله تعالى لا صنع فيه للعبد لا تخليقا ولا كسبا.[1]

ترجمہ: موت میت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے قائم ہوتی ہے، اس میں بندے کی کوئی کارکردگی نہیں، نہ پیدا کرنے میں نہ کسب میں۔

حافظ الدین علامہ عبداللہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وثبت بهذا أنّ المتولّدات بخلق الله تعالى كـالألم في المضروب والانكسار في الزّجاج.[2]

ترجمہ: "اس سے ثابت ہوا کہ متولدات ونتائج اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتے ہیں مثلاً مارے ہوئے شخص میں درد کا پیدا ہو جانا، شیشے کا ٹوٹ جانا۔"

علامہ قرافی رحمہ اللہ کی تصریح

علامہ قرافی مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ خلق، رزق، موت وحیات دینا، ہدایت وضلال وغیرہ امور وافعال ایسے ہیں جس میں توحید کا اعتقاد ضروری ہے اور ایسے افعال اللہ تعالیٰ ہی کی طرف حقیقی معنیٰ میں منسوب ہو سکتے ہیں، اگر غیر اللہ کی طرف منسوب ہو جائیں تو وہ نسبت حقیقی نہیں ہو گی اور مسببات ونتائج میں خود یہ اسباب موثر وموجد نہیں ہوتے ہیں بلکہ اسباب کے تحقق کے وقت اللہ تعالیٰ ہی مسببات کو وجود دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

---

[1] شرح العقائد مع النبراس، ص٣١٢.

[2] الاعتماد في الاعتقاد، فصل المتولّدات، ص٢٣١.

وإن أضيف شيء منها لغيره تعالى فإنما ذلك على سبيل الربط العادي لا أن ذلك المشار إليه فعل شيئا حقيقة كقولنا قتله السم وأحرقته النار ورواه الماء فليس شيء من ذلك يفعل شيئا مما ذكر حقيقة بل الله تعالى ربط هذه المسببات بهذه الأسباب كما شاء وأراد ولو شاء لم يربطها وهو الخالق لمسبباتها عند وجودها لا أن تلك الأسباب هذه الموجدة.[1]

ترجمہ: ان میں سے کوئی چیز اگر غیر اللہ کی طرف منسوب کی جائے تو یہ نسبت بطورِ ربطِ عادی (کہ اس غیر کے ساتھ ان افعال کا ایک ربط و تعلق ہوتا ہے۔م) ہوگی، نہ یہ کہ اس مشار الیہ (غیر) نے حقیقت میں کچھ کیا ہو، جیسے ہم کہتے ہیں کہ زہر نے مار دیا، آگ نے جلایا اور پانی نے سیر اب کیا، کوئی چیز ان میں سے حقیقۃً کوئی کام نہیں کر سکتی، بلکہ اللہ تعالی نے ان مسبّبات کو اپنے ارادے ومنشأ کے مطابق ان اسباب کے ساتھ مربوط فرمایا ہے اور اگر اللہ چاہے تو ان کو نہ جوڑے، اللہ تعالی ہی ان (اسباب) کے وجود کے وقت ان مسبّبات کے خالق ہے، ایسا ہر گز نہیں کہ یہ اسباب ان (مسبّبات) کو وجود دینے والے ہیں۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام معجزہ کے طور پر جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے تو اس زندہ کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصرف یا ان کا قول موثر نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت ہی سے اس وقت

---

[1] أنوار البروق في أنواء الفروق،الفرق الرابع والعشرون والمائة بين قاعدة ما يجب توحيد الله تعالى به من التعظيم وبين قاعدة ما لا يجب توحيده به،ج٣،ص٢٦

وہ مردہ زندہ ہو جاتا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ ان کا کہنا اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ مل جاتا تھا، فرماتے ہیں:

وكذلك إخبار الله تعالى عن عيسى عليه الصلاة والسلام أنه كان يحيي الموتى ويبرئ الأكمه والأبرص معناه أن الله تعالى كان يحيي الموتى ويبرئ عند إرادة عيسى عليه السلام لذلك لا أن عيسى عليه السلام هو الفاعل لذلك حقيقة بل الله تعالى هو الخالق لذلك ومعجزة عيسى عليه السلام في ذلك ربط وقوع ذلك الإحياء وذلك الإبراء بإرادته فإن غيره يريد ذلك ولا يلزم إرادته ذلك فاللزوم بإرادته هو معجزته - عليه السلام.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمانا کہ آپؑ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور کوڑی کے مریض اور نابینا کو مرض سے ٹھیک کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس وقت عیسیٰؑ اس کا اردہ فرماتے تھے اس وقت مردوں کو زندہ اور بیمار کو صحت یاب کرتے، نہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ اس کے حقیقۃً فاعل تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے خالق تھے اور اس میں عیسیٰؑ کا معجزہ یہ تھا کہ زندہ کرنے اور براءت دینے کے وقوع کا ربط ان کے ارادے کے ساتھ تھا، کہ ان کے علاوہ (کوئی دوسرا انسان) ارادہ کرتا ہے تاہم اس کے ارادے سے یہ کام نہیں ہوتا چنانچہ ان کے ارادے کے ساتھ یہ کام وجود پزیر ہونا ہی ان کا معجزہ تھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ بات صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام معجزات و کرامات کا یہی حال ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

وكذلك جميع ما يظهر على أيدي الأنبياء والأولياء من المعجزات والكرامات الله تعالى هو خالقها.[1]

ترجمہ: اور اسی طرح تمام معجزات وکرامات جو انبیاء واولیاء کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی اس کا خالق ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ وغیرہ کی رائے

بعض متکلمین حضرات کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب وعلل میں ایک قوت ودیعت فرمائی ہے جس کی وجہ سے خود یہ اسباب ہی موثر ثابت ہوتے ہیں مثلاً آگ ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں جلانے کی صلاحیت رکھی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوت کی وجہ سے یہ آگ ہی محرق ثابت ہوتی ہے، علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں متعدد جگہوں پر اس مسئلہ کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے اور یہی دوسرا موقف اختیار فرمایا ہے مثلاً سورۃ بقرہ کی تفسیر میں ایک جگہ اشاعرہ کا موقف (جو سنوسیہ کے حوالہ سے درج کیا گیا ہے) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

والفقير لا أقول بذلك ولكني أقول: إن الله سبحانه ربط الأسباب بمسبباتها شرعا وقدرا، وجعل الأسباب محل حكمته في أمره الديني الشرعي وأمره الكوني القدري ومحل ملكه وتصرفه، فإنكار الأسباب والقوى جحد للضروريات وقدح في العقول والفطر ومكابرة للحس وجحد للشرع والجزاء، فقد جعل الله- تعالى

---

[1] أنوار البروق في أنواء الفروق،الفرق الرابع والعشرون والمائة بين قاعدة ما يجب توحيد الله تعالى به من التعظيم وبين قاعدة ما لا يجب توحيده به، ج٣،ص٢٥.

شأنه- مصالح العباد في معاشهم ومعـادهم، والثـواب والعقـاب والحدود والكفارات والأوامر والنواهي والحل والحرمة كل ذلـك مرتبطا بالأسباب قائما بها بل العبد نفسه وصفاته وأفعاله سبب لمـا يصدر عنه، والقرآن مملوء من إثبات الأسباب، ولو تتبعنا ما يفيـد ذلك من القرآن والسنة لزاد عـلى عشرـة آلاف موضـع حقيقـة لا مبالغة.[١]

ترجمہ: فقیر کی رائے یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے شریعت وتقدیر کے لحاظ سے اسباب کو مسبّبات کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور اسباب کو شرعی ودینی اور تکوینی وتقدیری معاملے میں اپنی حکمت، قدرت و تصرّف کا محل ومظہر بنایا ہے، پس اسباب و صلاحیتوں کا انکار بدیہیات کا انکار ہے، عقل وفطرت میں عیب ہے، حِس کی ہٹ دھرمی اور شرع وجزاء کا انکار ہے، اللہ تعالی نے اپنے بندوں کی دنیوی واخروی مصالح، اور ثواب وعقاب، حدود و کفارات، اوامر ونواہی، حلت وحرمت، ان سب کو اسباب کے ساتھ جوڑ دیا ہے، جو ان کے ساتھ قائم ہوتے ہیں، بلکہ خود بندہ اور اس کے صفات وافعال سبب ہیں ان کاموں کے لئے جو اس سے صادر ہوتے ہیں۔ اور قرآن اسباب کے اثبات سے بھرا پڑا ہے، قرآن وسنّت میں جن جگہوں سے اسباب کا اثبات ہوتا ہے اگر ہم ان کو تلاش کریں، تو حقیقۃً بلا مبالغہ دس ہزار (١٠،٠٠٠) مواقع سے زائد ہونگے۔

---

[١] روح المعاني ج١ص ١٩٢

اشاعرہ نے چونکہ شرک کے خدشہ سے اسباب کی تاثیر کا انکار کیا تھا اس لئے علامہ آلوسی رحمہ اللہ ان کی اس بات پر اظہار تعجب کرتے ہیں کہ اس میں توحید کی متضاد کوئی ایسی بات نہیں ہے جو موجب شرک ہو، فرماتے ہیں:

ويا لله تعالى العجب إذا كان الله خالق السبب والمسبب وهو الذي جعل هذا سببا لهذا، والأسباب والمسببات طوع مشيئته وقدرته منقادة، فأي قدح يوجب ذلك في التوحيد وأي شرك يترتب عليه؟! نستغفر الله تعالى مما يقولون: فالله عز وجل يفعل بالأسباب التي اقتضتها الحكمة مع غناه عنها كما صح أن يفعل عندها لا بها، وحديث الاستكمال يرده أن الاستكمال إنما يلزم لو توقف الفعل على ذلك السبب حقيقة واللازم باطل لقوله تعالى: إِنَّما أَمْرُهُ إِذا أَرادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ فالأسباب مؤثرة بقوى أودعها الله تعالى فيها ولكن بإذنه وإذا لم يأذن وحال بينها وبين التأثير لم تؤثر كما يرشدك إلى ذلك قوله تعالى: وَما هُمْ بِضارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ.

ترجمہ: یااللہ کیا تعجّب کی بات ہے کہ جب اللہ تعالی ہی سبب اور مسبّب کے خالق ہے اور وہی ذات ہے جس نے ایک کو دوسرے کے لئے سبب بنایا، اور اسباب و مسبّبات اللہ تعالی کی قدرت و مشیّت کے تابع و محتاج ہیں، پھر اس سے توحید میں کیا عیب آتا ہے؟ اور اس پر کونسا شرک مرتّب ہوتا ہے؟ اللہ ہمیں معاف فرمائیں! بہر حال اللہ تعالی اسباب سے بے نیازی کے باوجود وہی کرواتا ہے جو اس کی حکمت تقاضا ہوتا ہے، جیسا کہ وہ ان (اسباب) کے ہوتے ہوئے اس کے بغیر بھی کر سکتا ہے، اور

حدیثِ استکمال اس بات کو رد کرتی ہے، کیونکہ استکمال تب لازم آتا کہ جب فعل اس سبب پر حقیقتاً موقوف ہوتا، اور یہ لازم اللہ تعالی کے اس ارشاد کی وجہ سے باطل ہے: کہ اس کا امر تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو اس کو کہہ دے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ پس اسباب اللہ تعالی کی ان میں ودیعت کردہ صلاحیتوں کی وجہ سے مؤثر ہیں لیکن اللہ کے حکم سے، اور جب اللہ تعالی حکم نہ دے اور حکم اسباب اور تاثیر کے مابین حائل ہو جائے تو مؤثر نہیں ہونگے، جس کی طرف جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے کہ :اس کے ذریعے وہ کسی کو ضرر پہنچانے والے نہیں ہیں مگر اللہ کے حکم سے۔

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ :

ولا أظن الأشاعرة يستطيعون لذلك جوابا ولا أراهم يبدون فيه خطابا، وهذا الذي ذكرناه هو ما ذهب إليه السلف الصالح وتلقاه أهل الله تعالى بالقبول، ولا يوقعنك في شك منه نسبته للمعتزلة فإنهم يقولون أيضا لا إله إلا الله أفتشكّ فيها لأنهم قالوها معاذ الله تعالى من التعصب فالحكمة ضالة المؤمن والحق أحق بالاتباع والله تعالى يقول الحق وهو يهدي السبيل.

ترجمہ: میرا خیال نہیں کہ اشاعرہ سے اس کا جواب بن پائے گا، یا اس میں کوئی واضح بات کریں گے، ہم نے جو ذکر کیا یہی سلفِ صالحین کا مذہب ہے، جس کو اہل اللہ نے قبول کیا ہے۔ اور معتزلہ کی طرف اس کی نسبت کبھی تجھے شک میں مبتلا نہ کرے وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کے سِوا کوئی معبود نہیں، کیا آپ اس میں بھی شک کروگے؟ اس لئے کہ معاذاللہ وہ یہ تعصب سے کہتے ہیں؟ پس حکمت مؤمن کی گم شدہ پونجی ہے اور حق اتباع کا زیادہ حقدار ہے، نیز االلہ تعالی کا ارشاد ہی حق ہوتا ہے اور وہی راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

استدلال کا جائزہ

یہ استدلال درج ذیل وجوہات کی وجہ سے درست نہیں ہے:

الف: اسباب کے متعلق یہ اعتقاد منصوص نہیں ہے اور اس کے متعلق اکثر متکلمین کا موقف بھی وہی ہے جو ابھی تحریر کیا گیا کہ اسباب خود مؤثر نہیں ہوتے بلکہ مباشرت اسباب کے بعد عادت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسبب واثر پیدا فرمالیتے ہیں، جن متکلمین نے یہ موقف اپنایا ان کے پیش نظر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایسی قوت مستقلہ ماننے کی وجہ سے کسی غیر اللہ کو خالق قرار دینا لازم نہ آئے جو کہ موجب شرک ہے۔

ب: اس استدلال کی بناء پر جو بات ثابت کی جاتی ہے وہ ان دلائل سے متصادم ہے جو پہلے گزر چکی ہیں خصوصاً "غلط استدلالات" کے ضمن میں "ذاتی وعطائی" کے عنوان سے جو کچھ تحریر کیا گیا ہے، یہ استدلال ان تمام دلائل سے متصادم ہے۔

ج: اسباب کے متعلق جمہور اشاعرہ اور اہل حق کا موقف یہی ہے کہ ان میں اور مسببات کے مرتب ہونے میں تلازم عادی ہے جیسا کہ علم کلام کی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور چند ایک عبارات پہلے ذکر بھی کی گئیں ہیں [1]۔ ان

---

[1] اور یہ صرف اشاعرہ یا متکلمین ہی کا موقف نہیں ہے بلکہ کئی جلیل القدر صوفیہ کرام کا بھی یہی موقف ہے۔ حضرات مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "علم کلام" میں ص ۲۰۷ پر "تاثیرِ اسباب وعلل کی حقیقت" کے عنوان کے تحت اس موضوع پر متکلمین کا موقف ذکر کیا ہے اور اس کے بعد مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کے "مثنوی" سے بھی مختلف اشعار وابیات نقل فرمائے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ جو متکلمین کے موقف کے طور پر پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

اسباب کی طرف گو بعض اوقات اپنے متعلقہ مسببات کی نسبت کی جاتی ہے لیکن نسبت واضافت کے لئے ادنی ملابست و تعلق کا ہونا بھی کافی ہے، اس نسبت سے جس طرح اسباب کا موثر بالذات ہونا لازم نہیں ہوتا یوں ہی عطائی طور پر مستقل موثر ہونا بھی لازم نہیں آتا۔

علامہ آلوسی اور بہت سے دیگر حضرات مثلاً علامہ ابن حزم ظاہری، علامہ بن تیمیہ، علامہ ابن قیم الجوزیہ وغیرہ نے اگرچہ حضرات اشاعرہ کے اس موقف کی کھل کر تردید کی ہے اور اس کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے لیکن خود ان حضرات کے ذکر کردہ تفصیلات اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ اسباب مستقل طور پر موثر ہیں اور اپنے مسبب کے ایجاد واثبات میں اللہ تعالیٰ کے مشیت خاصہ کی ضرورت نہیں ہے کہ مثلاً اللہ کے چاہے بغیر بھی آگ احراق کا کام کرے یا پانی اغراق کا وظیفہ انجام دے، بلکہ مسبب کے مرتب ہونے کے لئے یہ حضرات بھی اللہ تعالیٰ کے جزوی مشیت واذن خاصہ کے قائل ومعترف ہیں۔اور اس حد تک بات تسلیم کرنے کے بعد مناط شرط ختم ہو جاتا ہے۔

شرحِ عقائد کی عبارت کا تجزیہ

شرک کے مفہوم کے متعلق شرح عقائد کی ایک عبارت کی بناء پر بعض علمی حلقوں میں ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے، یہاں پہلے یہ عبارت اور اس کا پسِ منظر لکھا جاتا ہے اس کے بعد اس عبارت کی بنیاد پر قائم کئے گئے استدلال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

انسان کے افعال کا خالق کون ہے؟ معتزلہ کے نزدیک انسان خود ہی اپنے افعال کا خالق ہے، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ خلق تو اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ میں سے ہے اور غیر اللہ کے لئے ایسی صفت ثابت کرنا شرک ہے لٰہذا معتزلہ کو مشرک قرار دینا چاہئے، حالانکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک معتزلہ ایک اسلامی فرقہ ہے۔

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض متکلمین کے نزدیک تو معتزلہ کا یہی حکم ہے جس کا اشکال میں میں الزام دیا گیا چنانچہ علماء ماوراء النہر کے نزدیک معتزلہ بُت پرستوں کی طرح بلکہ ان سے ایک گونا بد تر ہے کیونکہ وہ خداؤں کے قائل تھے اور معتزلہ بے شمار انسانوں کو اپنے افعال کا خالق قرار دے رہے ہیں، اکثر متکلمین نے معتزلہ کی تکفیر نہیں فرمائی ان کے موقف کے مطابق یہ الزام دینا درست ہے کہ جب وہ تعدد خالق کے قائل ہیں تو مشرک وکافر کیوں نہیں؟ [1]

ان کی طرف سے جواب دیتے ہوئے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"لأنّا نقول: الإشراك هو إثبات الشّريك في الألوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس أو بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الأصنام، والمعتزلة لا يُثبتون ذلك، بل لا يجعلون خالقية

[1] یاد رہے کہ یہاں اس مسئلہ کی تفصیل وتحریر مقصود نہیں ہے، اس کے دلائل ونتائج کا جائزہ لینا بھی مطلوب نہیں ہے، اس کے لئے علم کلام کی مطول کتابوں کی طرف مراجعت کر لینی چاہئے، علامہ ابی المعین نسفی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "تبصرۃ الادلۃ" میں اس پر مدلل گفتگو فرمائی ہے، ملاحظہ ہو: "تبصرۃ الادلۃ، اثبات قدرۃ التخلیق لغیر اللہ محال، ص۹۱"۔ اسی طرح ملاحظہ ہو: "شرح العقائد الجلالیۃ"، ج۲ ص۲۹۳۔ ۱۳۲۔

العبد كخالقية الله تعالى لافتقاره إلى الأسباب والألات التي هي بخلق الله تعالى."[1]

ترجمہ: شرک الوہیت میں شریک ثابت کرنے یعنی مجوس کی طرح کسی اور ذات کوواجب الوجود ٹھہرانے یابت پرستوں کی طرح دوسرے کوعبادت کا مستحق سمجھے کو کہتے ہیں، جبکہ معتزلہ یہ بات ثابت نہیں کرتے بلکہ بندے کی خالقیت کو اسباب وآلات کے محتاج ہونے کی بناپر اللہ تعالی کی خالقیت کی طرح نہیں ٹھہراتے۔

اس عبارت سے یہ استدلال کیاجاتاہے کہ شرک انہی دوصورتوں میں ہوتا ہے کہ کسی غیر اللہ کو واجب الوجود یا مستحق عبادت سمجھا جائے اور استحقاق عبادت کی بنیاد صفات مستقلہ ذاتیہ ہوتے ہیں، عطائی صفات واختیارات مناط استحقاق عبادت نہیں ہوتے لہٰذا اس کو غیر اللہ کے لئے ثابت ماننا شرک یا کفر نہیں کہلائے گا۔

مثلاً مولانا احمد سعید کاظمی صاحب شرح عقائد کی اس عبارت کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ شرک کا معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو الٰہ ماننا اور الوہیت صرف وجوب وجود یا استحقاق عبادت کا نام ہے، لہٰذا جب تک کسی غیر اللہ کو واجب الوجود یا مستحق عبادت نہ مانا جائے اس وقت تک شرک نہیں ہو سکتا۔۔۔ ظاہر ہے جو صفت استحقاقِ عبادت کا مناط ہے خواہ وہ علم ہو یا قدرت، تصرف یا خالقیت، ضروری ہے کہ ذاتی اور مستقل ہو ورنہ افرادِ ممکنات کا (معاذ اللہ) مستحق عبادت ہونا لازم آئے گا کیونکہ عطائی غیر مستقل، حادثات صفات افرادِ مخلوق میں پائی جاتی ہیں۔" اس کے بعد کچھ سطر بعد لکھتے ہیں؛" یہی وجہ ہے کہ جمہور متکلمین نے معتزلہ کو مشرک قرار نہیں دیا حالانکہ وہ بندہ کو خالقِ افعال

---

[1] شرح العقائد النسفية، ص٢٠٠.

مان کر اس کے لئے صفتِ خالقیت ثابت کرتے ہیں جو صفت مستقلہ ہونے کی صورت میں مناط عبادت ہے لیکن چونکہ وہ بندے کو مستقل بالذات خالق نہیں مانتے اس لئے انہیں مشرک قرار نہیں دیا گیا۔" ۱

مولانا اشرف سیالوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"شرک اس صورت میں متحقق ہوتا ہے جب کسی بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی صفت میں شریک ٹھہرایا جائے تو جس طرح کی صفت اللہ تعالیٰ کی ہے اسی قسم کی غیر میں مانو تو شرک ہے ورنہ شرک نہیں، اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا، عالم الغیب ہونا، قدرت و قوت اور تدبیر و تصرف ذاتی ہیں اور غیر میں ان کا وجود و تحقق اللہ تعالیٰ کی عطاء سے ہے لہٰذا عطائی صفات ذاتی صفات و کمالات کے مقابل کالعدم ہوتے ہیں اس لئے یہاں شرک و کفر کا ارتکاب ہر گز نہیں ہو سکتا، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی صفات کے مظہر کے طور پر پیدا کیا ہے چہ جائیکہ اولیاء وانبیاء علیہم السلام۔" ۲

استدلال کا جائزہ

لیکن یہ استدلال کسی طرح درست نہیں جس کی کچھ وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی کو کافر یا مشرک قرار دینے کے لئے مناطِ شرک و کفر کا متحقق ہونا ضروری ہے لیکن موجبات شرک و کفر امور کے ساتھ ہر حال میں یہ ضروری نہیں ہے کہ مرتکب کو ضرور کافر و مشرک قرار دیا جائے بلکہ کچھ عوارض و موانع کی وجہ سے اس کو معذور بھی قرار دیا جاسکتا ہے، زیر بحث مسئلہ میں معتزلہ کی اس اعتقاد کی وجہ

ں[1] مقالات کاظمی، ج2ص84

[2] گلشن توحید و رسالت، "شرک کے متعلق ہمارا عقیدہ" ج اص ۵۴۳

سے مشائخ ماوراء النہران کو مشرک قرار دے رہے ہیں جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ اعتقاد موجب کفر و شرک ہے، اگر مناط شرک یہاں موجود نہ ہوتا تو کیونکر ان کی تکفیر درست ہوتی!

٢۔ یہاں معتزلہ کے مشرک نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں بیان کی گئی کہ وہ عطائی طور پر بندوں کو اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں، عبارت میں ذاتی وعطائی کی تفصیل سے تعرض نہیں کیا گیا، صرف اتنا بتایا گیا کہ معتزلہ گو انسان کو اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں لیکن انسان کی یہ خالقیت اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے مانند نہیں ہے، دونوں میں (یہ فرق نہیں ہے کہ ایک ذاتی اور دوسرا عطائی ہے بلکہ) بنیادی فرق یہ ہے کہ بندوں کی خالقیت اسباب وآلات کی محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کسی چیز کی محتاج نہیں ہے کہ وہ ہر نوعِ احتیاج سے پاک ہے۔ مثال کے طور پر ملا علی قاری رحمہ اللہ (فرماتے ہیں کہ مشائخ ماوراء النہر نے معتزلہ کے اس قول کو شرک قرار دیا اور ان کو مجوس سے زیادہ گمراہ کہا، اس کے بعد) تحریر فرماتے ہیں:

ولكنّ المحقّقين على أنّ المعتزلة مِن طوائف الإسلام.. لأنّهم لم يجعلوا العبد خالقا بالاستقلال، بلْ يقولون إنّه سبحانه خالق بالذّات والعبد خالق بواسطة الأسباب والآلات الّتي خلقها الله في العبد.[1]

---

[1] شرح الفقه الأكبر، ص١٥٨.

ترجمہ: محققین متکلمین نے معتزلہ کو اسلامی فرقوں میں سے شمار کیا ہے کیونکہ وہ بندہ کو مستقل خالق نہیں سمجھتے بلکہ خداتعالی کو مستقل خالق جبکہ بندہ کوآلات واسباب کے تحت سمجھتے ہیں۔

اس سے ذاتی طور پر خالق ہونے اور عطائی طور پر ایسا اعتقاد رکھنے میں فرق کرنا بالکل درست نہیں ہے، اس سے اگر کسی چیز پر استدلال ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ بعض صفات ایسی ہوتی ہیں جو انسان کے لئے بھی ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے بھی، اگر کوئی شخص مافوق الاسباب طور پر انسان کو ان صفات سے متصف اعتقاد کرے تو مشرک ہو جائے گا لیکن ماتحت الاسباب طور پر متصف جاننے میں مضائقہ نہیں۔

۳۔ متکلمین اور ائمہ اہل سنت نے معتزلہ کی اس جرات کی تائید نہیں فرمائی نہ ہی ان کی اس تاویل و تفصیل کے ساتھ کوئی اتفاق کیا بلکہ اس کو صرف اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے خلاف قرار دیا کہ سلف صالحین کا تو اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے جبکہ معتزلہ نے انسان کو بھی خالق قرار دیا، چنانچہ امام میمون نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لو قلنا: بأنّ العبد يخلق فعل نفسه ادّى ذلك إلى أن يكون الخالق اثنين ومن ادّعى ذلك فقد يكفر لأنّه ادّعى الشرك مع الله تعالى في الخالقية ومن ادّعى الشرك مع الله في الخالقية يكفر."[1]

ترجمہ: اگر ہم یہ کہے کہ: بندہ خود اپنے فعل کی تخلیق کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خالق دو ہونگے اور جو یہ دعوی کرے وہ کافر ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اس نے اللہ تعالی

---

[1] بحر الكلام، المبحث الثالث افعال العباد، ص۱۴۷.

کے ساتھ خالقیت میں شرک کا دعوی کیا،اور جو اللہ تعالی کے ساتھ خالقیت میں شرک کا دعوی کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

آپ ہی ایک دوسری مفید کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

وكذا القول به يؤدي إلى جعل العباد شركاء لله تعالى في تحصيل الأفعال لأنّها تحصل بقدرته تعالى بقدرتهم والقول بإثبات الشريك لله تعالى في تخليق العالم كفر صراح وخروج عن التّوحيد إلى القول بالتثنية.١

ترجمہ:اسی طرح یہ قول لینے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بندے افعال کی تحصیل میں اللہ تعالی کے شریک ہونگے،اس لئے کہ یہ (افعال)اللہ تعالی کی قدرت سے حاصل ہونگے اور ان (بندوں) کی قدرت سے بھی،اور عالم کی تخلیق میں اللہ تعالی کے لئے شریک ثابت کرنے کی بات کرنا صریح کفراور توحید سے تثنیہ (دو الٰہوں کے قائل فرقہ) کی طرف نکلنا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ ، معتزلہ کا مذہب اور پھراس کی خامیاں ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وذهبت المعتزلة إلى انكار تعلق قدرة الله تعالى بأفعال العباد من الحيوانات والملائكة والجن والإنس والشياطين وزعمت أن جميع ما يصدر منها من خلق العباد واختراعهم لا قدرة لله تعالى عليها بنفي ولا إيجاب

---

١ تبصرة الأدلّة،ص٨٥٠.

فلزمتها شناعتان عظيمتان: إحداهما انكار ما أطبق عليه السلف رضي الله عنهم من أنه لا خالق إلا الله ولا مخترع سواه.[١]

ترجمہ: معتزلہ نے اللہ تعالی کی قدرت کا بندوں، حیوانات، فرشتوں، جن وانس اور شیاطین کے افعال سے تعلق کا انکار کیا، اور یہ خیال کیا کہ جو کچھ ان سے صادر ہوتا ہے یہ ان کی ذاتی تخلیق وایجاد ہے اللہ تعالی کی اس پر کوئی قدرت نہیں نہ نفی کی (کہ وہ ایسا نہ کر سکے) اور نہ ایجاب کی (کہ وہ ایسا کرے)، جس سے دو عظیم غلطیاں لازم آئی: ایک جس پر سلفؒ نے اتفاق کیا کہ اللہ کے سِوا کوئی خالق نہیں اور اس کے سِوا کوئی وجود بخشنے والا نہیں، اس سے انکار۔

اگر عطائی طور پر صفات مخصوصہ غیر اللہ کے لئے ثابت ماننا شرک نہ ہوتا تو معتزلہ کو کم از کم یہ الزام دینا درست نہ ہوتا کہ انہوں "لا خالق الا اللہ" کی مخالفت کر دی۔

مولانا کاظمی صاحب کے استدلال کا جائزہ

4۔ حضرت مولانا احمد سعید کاظمی صاحب نے اس سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ مناطِ استحقاق عبادت کا ذاتی و مستقل (یعنی غیر عطائی) ہونا لازم ہے ورنہ افرادِ ممکنات کا (معاذ اللہ) مستحق عبادت ہونا لازم آئے گا کیونکہ عطائی غیر مستقل، حادثات صفات افرادِ مخلوق میں پائی جاتی ہیں۔" یہ استدلال بھی درست نہیں ہے کیونکہ شرح عقائد کی درج بالا عبارت میں ذاتی عطائی کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے، اگر اس عبارت سے قطع نظر یہ استدلال کیا جائے تو بھی درست نہیں ہے کیونکہ مناطِ

---

[١] الاقتصاد في الاعتقاد للغزالي، القطب الثاني في الصفات، ص: ٥٤.

استحقاقِ عبادت صفاتِ الوہیت کا تحقق ہے اور بس ۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاچکا ہے کہ صفات الوہیت اور استحقاق عبادت کے درمیان لزوم عادی ہے، لوگ جہاں اپنے زعم کے مطابق صفات الوہیت کا جلوہ دیکھتے ہیں اس کے پرستار بن جاتے ہیں، مشرکینِ مکہ کا یہی حال تھا کہ اپنے معبوانِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کا مملوک جاننے اور اس کا اعتراف کرنے کے باوجود ان کو مستحق عبادت سمجھتے تھے۔

5۔ شرح عقائد کے درج بالا عبارت سے مذکور استدلال کے سقم کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس میں شرک کی تمام اقسام کا حصر حقیقی مقصود نہیں ہے کہ شرک کی صرف یہی دو صورتیں ہی ممکن ہیں اس کے علاوہ کسی صورت میں شرک متحقق نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے علاوہ بھی کئی صورتوں میں شرک کا تحقق ہو سکتا ہے، مثلاً حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ توحید کے چار مراتب ہیں:

۱۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو واجب الوجود سمجھنا۔

۲: آسمان وزمین وغیرہ چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھنا کہ صرف اللہ تعالیٰ ان اشیاء کا خالق ہے۔

۳: آسمان وزمین اور اس کے درمیان کا مدبر صرف اسی کو سمجھنا۔

٤: استحقاق عبادت کو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی میں منحصر سمجھنا۔ پہلے دو مراتب سے کتب سماویہ میں تعرض نہیں کیا گیا کیونکہ نہ ان میں مشرکین عرب کا اختلاف تھا نہ ہی یہود و نصاریٰ اس کے منکر تھے، جہاں تک اخیر کے دو مراتب ہیں تو یہ ایک دوسرے کے ساتھ طبعاً لازم ہیں اور انہی دو مراتب کے متعلق لوگوں کا اختلاف رہا

ہے، منجمین، مشرکین اور نصاریٰ توحید کے ان دو مراتب میں اسلامی تعلیمات کی مخالفت کرتے ہیں، پھر مشرکین کا حال ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَالْمُشْرِكُونَ وافقوا الْمُسلمين فِي تَدْبِير الْأُمُـور الْعِظَـام، وَفِـيمَا أبـرم وَجزم، وَلم يتْرك لغيره خيرة، وَلم يوافقوهم فِي سَائِر الْأُمُور، ذَهَبُـوا إِلَى أَن الصَّالِحين من قبلهم عبـدُوا الله وتقربـوا إِلَيْـهِ فَأَعْطَـاهُمْ الله الألوهية، فاستحقوا الْعِبَادَة من سَائِر خلق الله، كَمَا أَن ملك الْمُلُـوك يَخْدمه عَبده، فَيحسن خدمته، فيعطيه خلعة الْملك، ويفـوض إِلَيْـهِ تَدْبِير بلد من بِلَاده، فَيسْتَحق السّمع وَالطَّاعَة من أهل ذَلِك الْبَلَد.[۱]

ترجمہ: اور مشرکین نے بڑے امور کی تدبیر میں مسلمانوں کی موافقت کی، اور ان امور میں جن کا اٹل ویقیناً فیصلہ ہو چکا، جن میں کسی اور کے لئے کوئی اختیار نہیں چھوڑا گیا، اور تمام امور میں ان کی موافقت نہیں کی۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ ان سے پہلے نیک لوگوں نے اللہ تعالی کی عبادت کی اور اس کا قرب حاصل کیا، جس پر اللہ تعالی نے ان کو الوہیت عطا کی، پس وہ اللہ تعالی کے تمام مخلوق میں عبادت کے مستحق ٹھرے، جیسا کہ شہنشاہ کا غلام اس کی خدمت کرتا ہے اور بڑی خوبی کے ساتھ خدمت کرتا ہے، تو بادشاہ اس کو شاہی خلعت عطا کرتا ہے اور اس کو اپنی سلطنت میں سے کسی علاقے کا انتظام سپرد کر دیتا ہے، پس وہ اس ملک کے لوگوں سے سمع واطاعت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

---

[۱] حجة الله البالغة، كتاب التوحيد، ج۱ص۱۷۵.

اس سے واضح ہوا کہ استحقاق عبادت ،تدبیر عالم پر متفرع ہےاوراور مشرکین مکہ (جن کامشرک ہونا متفق ہے)اسی کے قائل تھے،انسانی تاریخ ونفسیات کودیکھتے ہوئے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ جس کوعام انسانی رسائی سے زیادہ خارقِ عادت طورپر طاقت وصفات کامظہر سمجھتاہےاس کی عبادت شروع کرنے لگتا ہے،حضرت شاہ صاحب شرک کی حقیقت ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حقيقة الشرك أن يعتقد إنسان في بعض المعظمين من الناس أن الآثار العجيبة الصادرة منه إنما صدرت لكونه متصفا بصفة من صفات الكمال مما لم يعهد في جنس الإنسان، بل يختص بالواجب جل مجده لا يوجد في غيره إلا أن يخلع هو خلعة الألوهية على غيره، أو يفنى غيره في ذاته ويبقى بذاته أو نحو ذلك مما يظنه هذا المعتقد من أنواع الخرافات.[1]

ترجمہ:شرک کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی آدمی لوگوں میں سے کچھ نمایاں شخصیتوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ ان سے جو عجیب وغریب آثار صادر ہوتے ہیں اس لئے صادر ہوتے ہیں کہ اس کے اندر ایک ایسی کمالی صفت ہے جو کبھی انسانی جنس میں نہیں گزری، بلکہ وہ اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ خاص ہوتی ہے،اس کے غیر میں نہیں پائی جا سکتی اِلّا یہ کہ وہ خود خا عتِ الوہیت کسی غیر کوعطا کردے، یاغیر کواپنی ذات میں فنا کردےاوراس کی ذات کے ساتھ باقی رہے یااس قسم کی اور خرافات جن کو یہ اعتقاد رکھنے والاخیال کرتاہے۔

---

[1] حجة الله البالغة،باب أقسام الشرك،ج١ص١٨٤.

مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب

اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی بھی ہیں جو الفاظ کی حد تک بندوں کے لئے ثابت ہوتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ سمیع، بصیر، علیم اور متکلم ہیں اور انسان پر بھی ان الفاظ کا اطلاق جائز ہے، ان جیسی صفات میں مناط شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے مافوق الاسباب یہ صفات ثابت کی جائیں، اسی طرح تدبیر واستمداد وغیرہ مسائل میں بھی مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کی تفصیل ہے کہ ماتحت الاسباب استمداد تو غیر اللہ سے جائز ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو قادر مستقل جان کر مافوق الاسباب استمداد کی جائے تو یہ شرک ہے،، اس تفصیل کے متعلق بعض اوقات غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ اس کا ماخذ ومصدر کیا ہے؟ اور اس تفصیل کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ علامہ اشرف سیالوی صاحب نے "گلشن توحید ورسالت" میں کئی مقامات پر اس تفصیل کی تردید فرمائی اور اس کو لغو قرار دیا، اس لئے اس بات کی وضاحت کرنی مناسب ہے۔

ما فوق الاسباب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسباب وآلات کے بغیر کوئی کام کیا جائے اور ماتحت الاسباب سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اسباب وآلات کے دائرہ میں رہتے ہوئے کوئی کام کیا جائے۔

اس قید کی ضرورت

غور کریں تو واضح ہوگا کہ اس قید کی اہمیت وضرورت کے لئے کوئی خاص جزئیہ ضروری نہیں ہے بلکہ کئی جگہوں میں خود مناطِ شرک کے تحقق کے لئے یہ قید لگانا ضروری ہوتا ہے مثلاً غیر اللہ سے استعانت کا مسئلہ ہے کہ استعانت واستمداد کی

ایک قسم ایسی ہے جو بالاتفاق غیر اللہ سے کرنا جائز ہے اور ایک قسم وہ ہے جو اللہ تعالی ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر اللہ سے ایسی استعانت کرنا شرک ہے، اب مستعان ومعین ہونا گو اللہ تعالی کی صفت ہے مگر علی الاطلاق یہ صفت مخصوصہ نہیں ہے جس کا غیر اللہ کے لئے اثبات جائز نہ ہو بلکہ وہ تو استعانت کی ایک خاص قسم ہے، گویا استعانت بالغیر کی دو قسمیں ہوئی :ایک جائز اور دوسری حرام وموجب شرک،ان دونوں قسموں کی باہمی تمیز وامتیاز کے لئے یہ تفصیل کی جاتی ہے کہ ایک مافوق الاسباب استعانت بالغیر ہے اور ایک ماتحت الاسباب،تاکہ واضح ہو جائے کہ مطلق استعانت نکتہ اختصاص نہیں ہے بلکہ استعانت مافوق الاسباب طور پر ہو مستعان کے متعلق قدرت مستقلہ کا اعتقاد ہو تو یہ صفت باری تعالی کے ساتھ مخصوص ہے جس کا غیر اللہ کے لئے ثابت ماننا موجب شرک ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جس طرح حضرت متکلمین نے کسب اور خلق کے درمیان ایک فرق یہ بھی بیان کیا ہے کہ :

إنّ الكسب واقع بألة والخلق لا بألة.١

ترجمہ: کسب بذریعہ اٰلہ واقع ہوتا ہے اور خلق بغیر کسی اٰلہ کے۔

"شرح فقہ اکبر" میں ہے:

الحاصلُ أنّ الفرق بين الكسب والخلق هو أنّ الكسب أمـر لا يستقلّ به الكاسب والخلق أمر مستقلّ به الخالق."٢

---

١ شرح العقائد مع النبراس،ص٢٩٥.

٢ شرح الفقه الأكبر، ص١٥٤.

ترجمہ: کسب اور خلق میں فرق یہ ہے کہ کسب میں کاسب مستقل نہیں ہوتا جبکہ خلق میں خالق مستقل ہوتا ہے کسی اور کا محتاج نہیں ہوتا۔

کسب کا تعلق انسان کے ساتھ ہے اور خلق کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ،افعال عباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کاسب خود حضرت انسان ہے ،ان دونوں کے درمیان حد فاصل یہ ہے کہ کسب میں اسباب وآلات کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بندگان کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ وہی اسباب کے محتاج ہوتے ہیں جبکہ خلق میں اسباب کی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ صمد و غنی ہے ،وہ اسباب وآلات کا ہر گز محتاج نہیں ہے ، یوں ہی اسباب کے دائرہ میں رہتے ہوئے سماع ورؤیت اور اعانت کرنے کی صفت حضرت انسان کی ہے اور بغیر اسباب کے ہر کسی کی آواز سننا، تمام مخلوقات کی حرکات وسکنات دیکھنا اور چاہے تو ہر مخلوق کی اعانت کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں ،اسی کو مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مشرکین سے متعلق نصوص مسلمانوں پر منطبق کرنا

شرک کے موضوع سے متعلق ایک اشکال جو عام طور پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیات ونصوص تو کفار اور مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں لہٰذا کلمہ گو مسلمانوں پر اس کو منطبق کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ سخت غلطی اور خوارج کی نشانی ہے ،اس کے لئے عموماً حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا جاتا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً روایت فرمایا ہے :

ان ابن عمر، يراهم شرار خلق الله، وقال: «إنهم انطلقوا إلى آيـات نزلت في الكفار، فجعلوها على المؤمنين.[1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمرؓ ان کو اللہ تعالی کی بد ترین مخلوق سمجھتے تھے،انہوں نے فرمایا کہ :انہوں نے ان آیات کو لیا جو کفار کے بارے میں نازل ہوئیں اور ان کو مؤمنین پر منطبق کیا۔

اصولی بات

لیکن یہ اشکال بھی درست نہیں ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی نص کسی خاص سبب سے نازل ہو جائے تو کیا وہ نص اوراس کا حکم اس سبب کے ساتھ خاص رہے گا یااس کے الفاظ کو دکھتے ہوئے اس میں تعمیم کی جائے گی اوراس عموم کے تحت شامل ہونے والے تمام افراد کو نص کا حکم شامل قرار دیا جائے گا؟

اس میں اصولیین کی آراء مختلف ہیں جس میں جمہور اصولیین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ خصوص سبب کی بنسبت عموم لفظ کا اعتبار کرلیناچاہے اوراس کے مطابق حکم میں تعمیم کرلینی چاہئے بلکہ کئی محقق اصولیین کی تحقیق یہ ہے کہ جو حضرت خصوص سبب کا اعتبار کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی دیگر افراد کے لئے حکم ثابت ہوگاالبتہ براہِ راست نص کے تحت اس کو داخل نہیں کریں گے بلکہ قیاس وغیرہ کے ذریعہ نص کا حکم اس کی طرف متعدی کریں گے،یہ بات معقول ہےاوراس تحقیق

---

[1] صحيح البخاري،كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم،باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم.

کے مطابق اس بات میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہ جاتا کہ عموم لفظ کے تحت جتنے افراد داخل ہوان سب کو نص جیسا حکم شامل ہو جائے گا۔

کفار سے متعلقہ نصوص کی اقسام

اب اگر کوئی آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی اور ان کے متعلق کوئی حکم دیا گیا تو کیا مسلمانوں اور کلمہ گو لوگوں پر اس کو منطبق کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: اس حکم کی اساس وعلت کافر کا کفر ہو۔

اس کا حکم یہ ہے کہ مسلمان گناہ گار لوگوں پر ان آیات کو منطبق کرنا درست نہیں بلکہ ایک گونا تحریف ہے مثلاً جن نصوص میں کفار کا دائمی طور پر جہنم میں رہنے کا ذکر کیا گیا ہے وہ کفار ہی کے ساتھ مخصوص رہیں گی اور مسلمانوں کے متعلق ان نصوص کو پیش کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی مسلمان کوئی واقعی موجب کفر کام کرے جس کی وجہ سے فقہاء کرام کے نزدیک اس کی تکفیر ضروری ہو تو وہ شخص بھی ان نصوص کا مصداق قرار ہوگا گو وہ کلمہ پڑھتا ہو جب تک کہ ضابطہ کے مطابق باقاعدہ اسلام قبول نہ کرے مثلاً قادیانی، غالی روافض اور منکرین حدیث وغیرہ ملحدین کا حال ہے، لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمانوں پر کفار کے متعلق نازل شدہ آیات کو منبطق کیا گیا بلکہ چونکہ ایسے لوگوں کو مسلمان کہنا ہی جائز نہیں اس لئے یہی کہا جائے گا کفار سے متعلق نازل شدہ کو کفار ہی پر چسپاں کیا گیا اگرچہ وہ زبانی طور پر مدعی اسلام بھی ہے۔

ب: اس حکم کی علت کفر نہ ہو بلکہ فسق وغیرہ کوئی اور چیز اس کی علت ہو۔

ایسے نصوص واحکام کفار کے ساتھ مخصوص نہیں ہوں گی بلکہ اپنے علت مناط کے ساتھ دائر ہوں گی جہاں علت موجود ہوگا وہاں حکم بھی موجود ہوگا چاہے وہ مسلمان ہی میں علت پائی جائے اور جہاں علت نہیں ہوگا وہاں حکم بھی متحقق نہیں ہوگا گو کسی کافر ہی میں علت نہ پائی جائے۔

خوارج کی غلطی

خوارج کی جو غلطی تھی وہ یہ تھی کہ کفار کے متعلق جو آیات نازل ہوئی تھی اور ان کی بنیاد بھی کفر ہی تھا،ان کو کھینچ تھان کر مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھےاور مزید غلطی یہ کرتے تھے کہ بات بات پر کلمہ گو مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے اوراسی بناءپر وہ لوگ اپنے علاوہ تقریباً تمام مسلمانوں کو کافر،ان کے جان ومال وعزت کو مباح سمجھتے تھے اور یہ تکفیر مسلمین ان کی ایک گونا مجبوری بھی تھی کیونکہ کفار کے ساتھ مخصوص احکام کو کلمہ گو مسلمانوں پر اس کے سوا جاری کرنا ممکن نہ تھا کہ ان کو کافر قرار دیاجائےاور کفار کے عموم میں ان کو شامل کر دیاجائے، مِلل و نِحل اور ادیان وفِرق سے متعلق کتابوں میں خوارج اور ان کے نظریات وافکار کی تفصیلات موجود ہیں جہاں سے اس دعویٰ کی تصدیق کی جاسکتی ہے،غرض خوارج کی یہی اصولی غلطی تھی جس کی مذمت کرتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کفار سے متعلقہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں،اس کی طرف بعض شارحین نے بھی اشارہ فرمایاہیں کہ خوارج ان جیسی

آیات میں (بے جا)تاویل یعنی تحریف کر کے مسلمانوں کو ان کا مصداق ٹھہرانے پر مصر تھے۔[1]

اب اگر کوئی شخص یہ کرے کہ شرک اور مشرکین سے متعلق جتنے نصوص وارد ہوئے ہیں ان سب کو مشرکین مکہ ہی کے ساتھ مخصوص سمجھے اور تمام کلمہ گو مسلمانوں کو ان آیات کا کسی طرح مصداق تسلیم نہ کرے گو مناطِ شرک اس میں متحقق بھی ہو جائے تو بلاشبہ وہ ایسے ہی غلطی کا مرتکب ہے جس طرح خوارج تھے، اگر فرق ہے تو یہی کہ خوارج کفار کے ساتھ مخصوص آیات واحکام میں بلاوجہ تعمیم کر کے اس میں مسلمانوں کو داخل کرتے تھے اور یہ شخص عام آیات واحکام میں تخصیص کر کے کچھ افراد کو اس سے خارج کرنا چاہتا ہے اور یہ دونوں باتیں اصولی واخلاقی لحاظ سے غلط ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

---

[1] إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم، ج۱۰ ص۸٤.

مصادر ومراجع

❖ الاختيار لتعليل المختار: عبد الله بن محمود بن مودود الموصلی البلدحی ، مجد الدين أبو الفضل الحنفی (المتوفى : ٦٨٣هـ)ت: الشيخ محمود أبو دقيقہ مطبعۃ الحلبی - القاہرة

❖ اشارات المرام من عبارات الامام:الشيخ كمال الدين احمد بن حسين بن سنا ن الدين البياضی زاده الرومی الحنفی البسنوی ،دار الكتب العمیۃبیروت

❖ الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْہبِ أَبِی حَنِيْفَۃالنُّعْمَانِ: زين الدين بن إبراہيم بن مُحَمَّد، المعروف بابن نجيم المصری (المتوفى: ٩٧٠هـ)دار الكتب العلميہ ، بيروت - لبنان

❖ أصول البزدوی :للامام فخر الاسلام على بن مُحَمَّد البزدوی الحنفی ،ت:أ ـ د ـ سائد بكداش

❖ اصول تکفیر ،مفتی عبیدالرحمن ،مرکز البحوث الاسلامیہ مردان

❖ الاعتماد فی الاعتقاد ، امام ابی البرکات حافظ الدین النسفی ، مکتبہ دار الفجر ،بدمشق

❖ إغاثۃ اللهفان فی مصايد الشيطان: أبو عبد الله مُحَمَّد بن أبی بكر بن أيوب ابن قيم الجوزية (٦٩١ - ٧٥١)ت:مُحَمَّد عزير شمس ،دار عالم الفوائد - مکۃالمکرمۃ

❖ الاقتصاد في الاعتقاد: أبو حامد مُحَمَّد بن مُحَمَّد الغزالی الطوسی (المتوفى: ٥٠٥هـ)دار الکتب العلمیہ ، بيروت - لبنان

❖ امداد الاحکام:حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب ،مکتبہ دارالعلوم کراچی

❖ البحر الرائق شرح كنز الدقائق: زين الدين بن إبراہيم بن مُحَمَّد ، المعروف بابن نجيم المصری (المتوفى: ٩٧٠هـ)دار الكتاب الإسلامی

- ❖ بحر الكلام: الامام محمد بن ميمون النسفی۔ مکتبہ دار الفرفور ،دمشق
- ❖ تالیفات رشیدیہ: مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ،ادارہ اسلامیات لاہور
- ❖ تبصرة الأدلۃ:الامام میمون النسفی الماتریدی ، المکتبۃ الازہریۃ للتراث
- ❖ التبصير فی الدين وتمييز الفرقۃالناجيۃعن الفرق الہالكين: طاہر بن محمد الأسفراييني ، أبو المظفر (المتوفى : ٤٧١ھ) ت:كمال يوسف الحوت ، عالم الكتب - لبنان
- ❖ تحفہ اثناعشریۃ ،حضرت مولاناشاہ عبدالعزیز دہلوی ،دارالاشاعت کراچی
- ❖ تصفیۃ العقائد ،مولانا محمد قاسم نانوتوی ۔
- ❖ تعارف تقویۃ الایمان ،مفتی محمدامین صاحب ، فیصل آباد
- ❖ تعريف عام بدين الإسلام: علی بن مصطفى الطنطاوی (المتوفى: ١٤٢٠ھ)دار المنارة للنشر والتوزيع ، جدة - المملكۃالعربیۃ السعودیۃ
- ❖ تفسير القرآن العظيم (ابن كثير): أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشی البصری ثم الدمشقی (المتوفى: ٧٧٤ھ) ت:محمد حسين شمس الدين ،دار الكتب العلمیۃ ،بیروت
- ❖ تفسير النسفی (مدارك التنزيل وحقائق التأويل): أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفی (المتوفى: ٧١٠ھ)ت: يوسف علي بديوی ،دار الكلم الطيب ، بيروت
- ❖ تفسیر عزیزی:حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ،ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی
- ❖ تقویۃ الایمان: إسماعيل بن عبد الغنی بن وَلی الله بن عبد الرحيم العُمری الدہلوی (المتوفى: ١٢٤٦ھ)مجلس نشریات اسلام ،کراچي

❖ تمهيد الأوائل في تلخيص الدلائل ،مُحَمَّد بن الطيب بن مُحَمَّد بن جعفر بن القاسم ، القاضي أبو بكر الباقلاني المالكي (المتوفى: ٤٠٣هـ) ت: عماد الدين أحمد حيدر ،مؤسسة الكتب الثقافية —لبنان

❖ التنوير شرح الجامع الصغير

❖ تهذيب شرح السنوسية ام البراهين:سعيد عبداللطيف فوده ،مكتبة الاحرار ،مردان

❖ التوحيد: مُحَمَّد بن مُحَمَّد بن محمود ، أبو منصور الماتريدى (المتوفى: ٣٣٣هـ)ت:د. فتح الله خليف ،دار الجامعات المصرية — الإسكندرية

❖ تيسير العزيز الحميد فى شرح كتاب ، التوحيد الذى هو حق الله على العبيد: سليمان بن عبد الله بن مُحَمَّد بن عبد الوهاب (المتوفى: ١٢٣٣هـ)ت ،زهير الشاويش ،المكتب الاسلامى ، بيروت ، دمشق

❖ التيسير بشرح الجامع الصغير: زين الدين مُحَمَّد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن على بن زين العابدين الحدادى ثم المناوى القاهرى (المتوفى: ١٠٣١هـ)مكتبة الإمام الشافعى - الرياض

❖ جامع البيان في تأويل القرآن: مُحَمَّد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملى ، أبو جعفر الطبرى(المتوفى: ٣١٠هـ)ت: أحمد مُحَمَّد شاكر ،مؤسسة الرسالة

❖ صحيح البخارى: مُحَمَّد بن إسماعيل أبو عبدالله البخارى الجعفى ، ت:مُحَمَّد زهير بن ناصر الناصر ،دار طوق النجاة

❖ الجواب الكافى لمن سأل عن الدواء الشافى أو الداء والدواء: مُحَمَّد بن أبى بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية (المتوفى: ٧٥١هـ)دار المعرفه- المغرب

❖ حاشية بوادر النوار:مولانا اشرف على تهانوى صاحب

❖ حاشيةالسندى على سنن النسائى : مُحَمَّد بن عبد الهادى التتوى ، أبو الحسن ، نور الدين السندى (المتوفى: ١١٣٨هـ)مكتب المطبوعات الإسلاميه - حلب

❖ حجۃ الاسلام درضمن مجموعہ مقالات حجۃ الاسلام:حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ،ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

❖ حجة الله البالغۃ: أحمد بن عبد الرحيم المعروف بـ «الشاه ولی الله الدہلوی» (المتوفى: ١١٧٦ھ) ،دار الجيل ، بيروت - لبنان

❖ حقیقت واقسام شرک ،ڈاکٹر اسرار احمد

❖ الحکم العطائیۃ ، للعلامۃ الصوفی ابن عطاء الله الاسکندری

❖ دستور العلماء = جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون: القاضی عبد النبی بن عبد الرسول الأحمد نكری (المتوفى: ق ١٢ھ) دار الكتب العلميۃ - لبنان / بيروت

❖ دلیل المشرکین:مولانا احمد الدین بگوی ،المشرق

❖ ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب والبربر عبد الرحمن بن مُحَمَّد بن مُحَمَّد، ابن خلدون أبو زيد، ولی الدين الحضرمیی الإشبیلی (المتوفى: ٨٠٨ھ)ت: خليل شحادة ،دار الفكر ، بيروت

❖ رد المحتار على الدر المختار: ابن عابدين ، مُحَمَّد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقی الحنفی (المتوفى: ١٢٥٢ھ)دار الفكر-بيروت

❖ الرسالۃ القشيريۃ: عبد الكريم بن ہوازن بن عبد الملك القشيري (المتوفى: ٤٦٥ھ)ت: الإمام الدكتور عبد الحليم محمود ، الدكتور محمود بن الشريف ،دار المعارف ، القاہرة

❖ رسالۃالتوحيد المسمى بـ تقويۃ الإيمان: إسماعيل بن عبد الغنی بن وَلی الله بن عبد الرحيم العُمری الدہلوی (المتوفى: ١٢٤٦ھ)تعريب: أبو الحسن علی الحسنی الندوی (المتوفى: ١٤٢٠ھ)دار وحی القلم - دمشق ، سوريۃ

❖ الرسالۃالمفيدة: مُحَمَّد بن عبد الوہاب بن سليمان التميمی النجدی (المتوفى: ١٢٠٦ھ)ت:مُحَمَّد بن عبد العزيز المانع ،رئاسۃ إدراة البحوث العلميۃوالإفتاء والدعوة والإرشاد

- ❖ روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى: شہاب الدين محمود بن عبد الله الحسينى الألوسى (المتوفى: ١٢٧٠هـ)ت:على عبد البارى عطية ،دار الكتب العلمية - بيروت
- ❖ زاد المسير في علم التفسير: جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن على بن مُحَمَّد الجوزي (المتوفى: ٥٩٧هـ)ت:عبد الرزاق المہدى ،دار الكتاب العربى - بيروت
- ❖ سنن الترمذى: مُحَمَّد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك ، الترمذى ، أبو عيسى (المتوفى: ٢٧٩هـ)ت:أحمد مُحَمَّد شاكر مطبعة مصطفى البابى الحلبى - مصر
- ❖ السنن الكبرى: أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن على الخراسانى ، النسائى (المتوفى: ٣٠٣هـ)ت: حسن عبد المنعم شلبى ،مؤسسة الرسالة - بيروت
- ❖ شرح الصاوى على جوہرة التوحيد:العلامة احمد بن مُحَمَّد المالكى الصاوى ،دار ابن كثير ،دمشق
- ❖ شرح العقائد الجلالية
- ❖ شرح العقائد النسفية: سعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله التفتازانى ،المتوفى سنة ٧هـ ،مكتبة البشرى ،پاکستان
- ❖ شرح المقاصد فى علم الكلام:سعد الدين مسعود بن عمر بن عبد الله التفتازانى ،الناشر دار المعارف النعمانية
- ❖ شرح مشكل الآثار: أبو جعفر أحمد بن مُحَمَّد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدى الحجرى المصرى المعروف بالطحاوى (المتوفى: ٣٢١هـ) ت: شعيب الأرنؤوط ،مؤسسة الرسالة
- ❖ الشرك فى القديم والحديث: أبو بكر مُحَمَّد زكريا ،مكتبة الرشد للنشر والتوزيع ، الرياض - المملكة العربية السعودية
- ❖ الظفر المبين فى ردّ مغالطات المقلدين:مولانا ابو الحسن سيالكوٹى ، مكتبہ مُحَمَّديہ ، چيچہ وطنى ضلع ساہيوال

❖ العظمة: أبو مُحَمَّد عبد الله بن مُحَمَّد بن جعفر بن حيان الأنصارى المعروف بأبى الشيخ الأصبہانى (المتوفى: ٣٦٩هـ)ت: رضاء الله بن مُحَمَّد إدريس المباركفورى ،دار العاصمة- الرياض

❖ علم الكلام:مولانا مُحَمَّد ادريس كاندہلویؒ ،زمزم پبلشر ،کراچی

❖ الغنية لطالبى طريق الحق:للامام عبدالقادربن موسى بن عبدالله الجيلانیؒ ،دار احياء التراث العربى

❖ فتح البارى شرح صحيح البخارى: أحمد بن على بن حجر أبو الفضل العسقلانى الشافعى ،دار المعرفة- بيروت

❖ الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجيہ: عبد القاہر بن طاہر بن مُحَمَّد بن عبد الله البغدادى التميمى الأسفرايينى ، أبو منصور (المتوفى: ٤٢٩هـ)دار الآفاق الجديدة - بيروت

❖ الفروق = أنوار البروق فى أنواء الفروق: أبو العباس شہاب الدين أحمد بن إدريس بن عبد الرحمن المالكى الإرشاد السارى لشرح صحيح البخارى: أحمد بن مُحَمَّد بن أبى بكر بن عبد الملك القسطلانى القتيبى المصرى ، أبو العباس ، شہاب الدين (المتوفى: ٩٢٣هـ)المطبعة الكبرى الأميريہ ، عالم الكتب

❖ الفقہ الأكبر (مطبوع مع الشرح الميسر على الفقہين الأبسط والأكبر المنسوبين لأبى حنيفةتأليف مُحَمَّد بن عبد الرحمن الخميس) : ينسب لأبى حنيفةالنعمان (المتوفى: ١٥٠هـ) مكتبة الفرقان الإمارات العربية

❖ الفوز الكبير في أصول التفسير: الإمام أحمد بن عبد الرحيم المعروف بـ «ولى الله الدہلوى» (المتوفى: ١١٧٦هـ)ع: سلمان الحسينى النَّدوى ،دار الصحوة — القاہرة

❖ فيض الباري: مولانا انور شاه کشمیریؒ۔

❖ القول السديد فى مقاصد التوحيد

❖ كتاب الأصنام: أبو المنذر ہشام بن مُحَمَّد أبى النضر ابن السائب ابن بشر الكلبى (المتوفى: ٢٠٤هـ)ت: أحمد زكى باشا ،دار الكتب المصرية- القاہرة

❖ كتاب التعريفات: على بن مُحَمَّد بن علي الزين الشريف الجرجانى (المتوفى: ٨١٦هـ)ت:جماعةمن العلماء، دار الكتب العلمية بيروت -لبنان

❖ كتاب العين: أبو عبد الرحمن الخليل بن أحمد بن عمرو بن تميم الفراہيدى البصرى (المتوفى: ١٧٠هـ)ت:د مہدى المخزومى، د إبراہيم السامرائى ،دار ومكتبة الہلال۔

❖ كتاب المواقف: عضد الدين عبد الرحمن بن أحمد الإيجى ،دار الجيل - بيروت

❖ كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم: مُحَمَّد بن على ابن القاضى مُحَمَّد حامد بن محمّد صابر الفاروقى الحنفى التہانوى (المتوفى: بعد ١١٥٨هـ)ت:د. على دحروج ،مكتبةلبنان ناشرون —بيروت

❖ الكليات معجم في المصطلحات والفروق اللغوية: أيوب بن موسى الحسينى القريمى الكفى، أبو البقاء الحنفى (المتوفى: ١٠٩٤هـ)ت:عدنان درويش - مُحَمَّد المصرى ،مؤسسة الرسالة - بيروت

❖ گلشن توحيد ورسالت ،مولانا مُحَمَّد اشرف سيالوى ،اہل السنة پبلى كيشنز ،دينہ ضلع جہلم۔

❖ لسان العرب: مُحَمَّد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين ابن منظور الأنصار ى الرويفعى الإفريقى (المتوفى: ٧١١هـ)دار صادر - بيروت

❖ لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح: عبد الحق بن سيف الدين بن سعد اللَّه البخارى الدِّہلوى الحنفى ت: الأستاذ الدكتور تقى الدين الندوى ،دار النوادر، دمشق —سوريا

❖ مجموعة رسائل شاه ولى الله: الإمام أحمد بن عبد الرحيم المعروف بـ «ولى الله الدہلوى» (المتوفى: ١١٧٦هـ)شاه ولى الله انسٹى ٹيوٹ، نئى دہلى۔

❖ مجموعة الفتاوى:تقى الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن عبد الله بن أبى القاسم بن مُحَمَّد ابن تيميةالحراني الحنبلى الدمشقى (المتوفى: ٧٢٨هـ)

❖ المحيط البرہانی فی الفقہ النعمانی:الامام برہان الدین أبی المعالی محمود بن صدرالشریعہ ابن مازه البخاری ،ادارة التراث الاسلامی لبنان

❖ مختصر تفسير البغوى: عبد الله بن أحمد بن على الزيد ،دار السلام للنشر والتوزيع - الرياض

❖ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: على بن (سلطان) مُحَمَّد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروى القاريى(المتوفى: ١٠١٤هـ)دار الفكر، بيروت - لبنان

❖ المسامرة:لكمال الدين مُحَمَّد بن مُحَمَّد بن ابى بكربن على بن أبى شريف ،المتوفى سنة ٩٠٥هـ ،دارالكتب العلمية ،بيروت ،لبنان

❖ المستدرك على الصحيحين: أبو عبد الله الحاكم مُحَمَّد بن عبد الله بن مُحَمَّد بن حمدويہ بن نُعيم بن الحكم الضبى الطہمانى النيسابورى (المتوفى: ٤٠٥هـ)ت: مصطفى عبد القادر عطا ،دار الكتب العلمية - بيروت

❖ المستدرك على مجموع الفتاوى

❖ مسند الإمام أحمد بن حنبل: أبو عبد الله أحمد بن مُحَمَّد بن حنبل بن ہلال بن أسد الشيباني (المتوفى: ٢٤١هـ)ت: أحمد مُحَمَّد شاكر ،دار الحديث - القاہرة

❖ صحيح مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيرى النيسابورى (المتوفى: ٢٦١هـ)ت: مُحَمَّد فؤاد عبد الباقى ،دار إحياء التراث العربى - بيروت

❖ معانى القرآن وإعرابہ: إبراہيم بن السرى بن سہل، أبو إسحاق الزجاج (المتوفى: ٣١١هـ)ت: عبد الجليل عبده شلبى ،عالم الكتب - بيروت

❖ المعجم الكبير: سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمى الشامى، أبو القاسم الطبرانى (المتوفى: ٣٦٠هـ)ت: حمدى بن عبد المجيد السلفى ،مكتبة ابن تيمية- القاہرة

❖ معجم مقاييس اللغة:أحمد بن فارس بن زكرياء القزوينى الرازى ، أبو الحسين (المتوفى: ٣٩٥هـ)ت:عبد السلام محمد ہارون ،دار الفكر۔

❖ مفاتيح الغيب : أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي (المتوفى: ٦٠٦هـ)دار إحياء التراث العربي - بيروت

❖ مفاہیم يجب ان تصحّح: السيد محمد بن علوى المالكى ، دار الكتب العلمية ،بيروت۔

❖ مقالات كاظمى ، مولانا سيد احمد سعيد كاظمى ، مكتبہ ضيائيہ ، راو الپنڈی

❖ مكتوبات امام ربّانى:للشيخ احمد سرہندى ،مترجم ،مظہر بك ڈپو

❖ الملل والنحل: العلامة محمد بن عبد الكريم الشہرستانى

❖ منہاج السنة النبويةفى نقض كلام الشيعة القدرية: تقى الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن عبد الله بن أبى القاسم بن محمد ابن تيميةالحراني الحنبلى الدمشقى (المتوفى: ٧٢٨هـ)ت:محمد رشاد سالم ،جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية

❖ الميسر فى شرح مصابيح السنةللتوربشتى

❖ النبراس شرح شرح العقائد النسفية:للعلامة محمدعبد العزيز الفرہاروى ،مكتبة البشرى

❖ نصاب الاحتساب: عمر بن محمد بن عوض السَّنَامي الحنفي

❖ نہاية الإقدام فى علم الكلام:العلامة محمد بن عبد الكريم الشہرستانى

❖ نيل الأوطار: محمد بن على بن محمد بن عبد الله الشوكانى اليمنى(المتوفى: ١٢٥٠هـ)ت: عصام الدين الصبابطى ،دار الحديث ، مصر

❖ وہابی توحید مفتی محمدامین صاحب ، فیصل آباد